تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲۹	۲۵ اپریل ۱۹۹۲ء ——— ۲۱ شوال ۱۴۱۲ھ	شمارہ ۱۲

ادارہ

(مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

اپنے فائدے کی طلب دوسرے کے نقصان کے بغیر

ہماری زندگی کے تمام کام دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں، ایک وہ جو ہماری خواہش اور مرضی کے مطابق ہیں، اور دوسرے وہ جو ہماری خواہش اور مرضی کے خلاف ہیں، مثلاً اپنی پسند کا کھانا، اپنی پسند کا پہننا، اپنے کو آرام پہونچانا، اپنی پسند اور خواہش کے کاموں میں وقت صرف کرنا، اپنا رعب جمانا، اپنی بڑائی جتانا اور اپنے کو دلکش اور پسندیدہ دکھانا۔ یہ سب ہماری پسند و خواہش کی باتیں ہیں، ان کے کرنے میں ہم کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ جی لگتا ہے اور مزا ملتا ہے، اس پر جو وقت صرف ہو خوشی سے صرف کیا جاتا ہے جو پیسہ خرچ ہو وہ فراخ دلی سے خرچ جاتا ہے، اس کے لئے کسی کے شوق دلانے کی دوسرے کے رغبت دلانے کی تاکید کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ سب خود بخود ہوتا ہے اور دنیا میں ہر طرف انجام دیا جا رہا ہے، ان پر خوشی کے ساتھ خوب وقت صرف کیا جاتا ہے اور خوب دولت صرف کی جاتی ہے، لیکن وہ کام جو ہماری خواہش اور مرضی کے خلاف ہیں لیکن اچھے ہیں اور ضرورت و شرافت کے ہیں، سارا مسئلہ ان کا ہے، ان کے انجام دلانے کے لئے اہل اخلاص و دردمند لوگوں کو کوشش کرنا ہوتی ہے، مسلمان کو اس کا مذہب تلقین کرتا ہے کہ زندگی کی ذمہ داریوں کو خدا کے احکام کے مطابق اور اپنے تعلق اور اردگرد کے لوگوں کے فائدے نقصان کا لحاظ کر کے پورا کیا جائے، اس کو بتایا گیا ہے کہ اس کو آخرت میں اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو کر جواب دینا ہوگا، کہ اپنے پروردگار کے کہنے کے مطابق زندگی گذاری تھی یا نہیں اور اپنی راحت کی فکر و طلب کرتے وقت دوسرے کے ساتھ زیادتی یا اس کی حق تلفی تو نہیں کی تھی، قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں اس کے احکام ہیں، تفصیلات ہیں، تاکیدیں ہیں، اور آخرت کے اجر کی امیدیں دلائی گئی ہیں، اور سزاؤں سے ڈرایا گیا ہے، جو مسلمان اللہ سے ڈرتے ہیں، اور آخرت میں بہتری چاہتے ہیں ان کے یہاں اس کے اثرات ملتے ہیں۔

دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے یہاں بھی اس کی کچھ ہدایات ملتی ہیں، جن کی روشنی میں آدمی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اپنے آرام اور فائدہ کی طلب میں ہم اتنا نہ بڑھ جائیں کہ دوسروں کو نقصان پہونچے، لیکن مذہب سے بے پرواہ لوگوں میں خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم یا سراسر دنیا سے وابستہ جن کے یہاں مذہبی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں یا ان کے دین میں من مانی زندگی گذارنے پر کوئی مواخذہ نہیں ان کے یہاں جتنا میسر ہو سکے عیش کیا جائے اور جو ممکن ہو سکے وہ فائدہ اٹھایا جائے ایسے لوگ اپنے آرام کے لئے اور اپنی خواہش پورا کرنے کے لئے جو بھی زیادتی یا حق تلفی کریں کوئی تعجب کی بات نہیں دوسروں کی تکلیف یا نقصان کا لحاظ کئے بغیر اپنی خواہش و آرام کی فکر کرنا دراصل یہ وہ ذہن ہے جس نے اس وقت دنیا میں تباہی مچا رکھی ہے، ظالم کو ظلم میں مزا آتا ہے یا فائدہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ مظلوم کی تکلیف کی فکر کیوں کرے، عیش پسند کو اپنے عیش کے لئے دولت صرف کرنا ہے وہ اس کے حصول کے لئے اچھے برے اور حق ناحق کی فکر کیوں کرے، اور ایسا آدمی جب اپنے مقاصد کے حصول کی فکر کرے گا اور اس کے لئے مال کی ضرورت ہوگی تو وہ مال کسی نہ کسی طرح حاصل کرے گا خواہ کسی دوسرے کو نقصان پہونچانا پڑے، رشوت سود غبن دوسرے کے ساتھ ظلم یہ سب اسی طرز زندگی سے پیدا ہوتے ہیں، یہ وہ صورت حال ہے جو بڑھ کر ساری دنیا کو تباہی کے غار میں پہونچا سکتی تھی اور کمزوروں اور غریبوں کی زندگی کو جہنم بنا سکتی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہر انسان کے سینہ میں دل رکھا ہے اس دل میں اس کا ضمیر ہے جو بری بات کو برا دیکھ سکتا ہے اور اس پر ٹوک سکتا اور اچھی بات کو اچھا دیکھ سکتا ہے اور اس کی رغبت دلا سکتا ہے اس طرح اگر ایک طرف انسان کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کی خواہش کے لئے بری بات کو بھی اچھا بنا کر پیش کرتا ہے تو دوسری طرف اس کا ضمیر اشارہ کرتا ہے کہ نہیں یہ بری بات ہے اس طرح نفس اور ضمیر کی کشمکش ہوتی ہے ضمیر طاقتور ہوا تو نفس کو روکتا ہے اور بہت سی برائیاں رک جاتی ہیں اور دنیا کسی نہ کسی طرح چلتی رہتی ہے، دوستی کے حقوق کا لحاظ اور قدر دانی نظر آ جاتی ہے پڑوسی کے کچھ حقوق بھی

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء

ادارۂ تحریر

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی — مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید

خط و کتابت و منی آرڈر کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

زرِ تعاون ملکی

سالانہ پچاس روپئے ۵۰/-
فی شمارہ ۲/۲۵

بیرون ملک فضائی ڈاک

ایشیائی۔ یورپی۔ افریقی و امریکی ممالک
۲۵/- ڈالر

بیرون ملک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ۱۰/- ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔ اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہونچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپئے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں، نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیر حیات جاتا ہے اس کی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں اور اگر جدید خریدار ہیں تو بھی اس کی صراحت ضروری ہے

درس حدیث

دین خیر خواہی کا نام ہے

ڈاکٹر لقمان صاحب ندوی ——— ترجمہ: شمس الحق ندوی

عن تمیم الداری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال " الدین النصیحۃ " قلنا: لمن؟ قال: للہ، ولکتابہ، ولرسولہ، ولائمۃ المسلمین و عامتھم .[1] (مسلم)

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے پوچھا کس کے لئے فرمایا اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے مسلمانوں کے امیر کے لئے اور ان کے عوام کے لئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ان الدین عند اللہ الإسلام (آل عمران ۱۹)

اللہ پاک نے اس دین کو اس لئے منتخب فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ ایک زبردست امت کو وجود میں لائے، اس دین کے ذریعہ حکومت بھی قائم کرے، ایک معاشرہ تشکیل دے اس میں انسانی ضمیر اخلاق اور عقلوں کی تربیت کرے تاکہ اس کے ذریعہ اس معاشرہ کا تعلق اپنی ذات سے جوڑے اور اسلامی حکومت کا دیگر دوسری حکومتوں سے ربط تعلق قائم کرے اور ان سب کو ایک مضبوط لڑی میں پروئے جو منتشر اجزاء کو جمع کر کے باہم ملائے، اور پھر سب کو اخلاص و نصیحت کے سرچشمہ اور ایک خدا سے ملا دے ایک ہی رخ پر چلائے یہی حقیقی معنے میں وہ دین ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، " ان الدین عند اللہ الاسلام " یہی وجہ ہے کہ اس کو ... طاقت پہنچانے اور موکد کرنے کے لئے حدیث شریف میں الدین النصیحۃ کے الفاظ آئے ہیں اس سے زیادہ جامع لفظ لغت میں ملنا مشکل ہے اسی وجہ سے اس حدیث کو دین کا چوتھائی حصہ کہا گیا ہے۔ امام نووی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ تنہا اس حدیث سے دین کے پورے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نصیحت کا مطلب اس کی اطاعت و فرماں برداری اس کے آگے جھکنا تنہا اسی کو رب اور معبود ماننا، اس کے ایک ہونے کے عقیدہ کو درست رکھنا، عبادت صرف اسی کی رضا کے لئے کرنا

زندگی گذارنے کا طور طریق، اس کا قانون و ضابطہ اس کی قدریں معیار و پیمانے سب اسی سے لے کسی اور کو ان ساری چیزوں میں قطعاً شریک نہ کرے۔ لہٰذا دین میں اخلاص اس بات کا متقاضی ہے کہ ان تمام باتوں کو ترک کر دیا جائے جن سے شرک کی بو آتی ہو جیسے اللہ کے علاوہ کسی اور کی تعظیم و اطاعت اس طرح کرنا جس طرح خدائے پاک کی تعظیم و اطاعت کی جاتی ہے غیر خدا سے کچھ مانگنا یا اس کو دین کے اصول سے ہٹ کر وسیلہ بنانا بندہ کو یہی حکم ہے کہ وہ صرف خدا کی عبادت کرے، دین کو اس کے لئے خالص کرے کسی سے محبت ہو تو اللہ کے لئے، ناراضگی ہو تو اللہ کے لئے۔ اللہ کے فرمانبردار بندوں سے دوستی رکھے اور نافرمانوں سے دشمنی، اپنے سارے کاموں میں بس اللہ ہی کی رضا کو پیش نظر رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لئے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس پر خدا کے کلام ہونے کا یقین رکھے، اس کے احکامات پر عمل کرے، اس سے پرخلوص محبت ہو اس کا بہت ادب کرے کہ وہ خدا کا کلام ہے اس میں اس کی عظمت و کبریائی کا بیان ہے، پورے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی تلاوت کرے اس میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے یا ان سے روکا گیا ہے ان پر عمل پیرا ہو، اس کے علوم و معارف کو سمجھے، آیات پر غور کرے، معاشرتی زندگی کے لئے اس میں احکامات ہیں، انھیں کی روشنی میں معاشرتی مسائل و معاملات کو حل کرے حکومتی سطح پر ایک ملک کا دوسرے ملک سے ربط و تعلق کا جو اصول بتایا گیا ہے اس کو اپنایا جائے۔ یہ تمام کی تمام باتیں "النصیحۃ لکتابہ" لفظ میں آ گئیں۔

اللہ کے رسول کے ساتھ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی سنتوں کو سیکھا جائے۔ اپنے قول و فعل میں ان پر عمل ہو آپ کی ذات سے محبت ہو، آپ کے متبعین سے محبت ہو، یہ نصیحت صرف الفاظ نہیں جو زبان سے دہرائے جائیں اور دل میں کیف و احساسِ عبدیت نہ کروٹ لے رہا ہو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اس خدائی دستور پر عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے اس طرح کہلوا رہا ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم، قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے، کہہ دو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا)

پہلی آیت کی تفسیر میں مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: جس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوا کیا اور حضورؐ کے طریقہ کو نہیں اپنایا تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے، تاآنکہ اپنے تمام قول و فعل میں شریعت محمدی اور سنت نبوی پر عمل پیرا نہ ہو۔

جب اخلاق و معاملات کی اساس و بنیاد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اتباع رسولؐ ہوگی تو مسلمان معاشرہ کا ہر فرد ہمدردی، بھلی راہ دکھانے، خلوص دل سے زندگی اور معاشرہ میں عمومی اصلاح و سدھار کا فکرمند ہوگا۔

مسلمان حکام کے ساتھ نصیحت کا ظہور حق کے معاملہ میں ان کا تعاون، ان کی فرمانبرداری نرمی و محبت کے ساتھ ان کو مشورہ دینا اور قانون خداوندی پر عمل کرنے کی ترغیب دینا غلطی کریں تو ان کو تنبیہ کرنا، ان کی بہتری، بھلائی اور عدل و انصاف کا خواہاں رہنا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملہ میں پوری امت کا متفق اور دین پر عمل پیرا رہنا ہے۔

عام مسلمانوں کی نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہ تمام مسلمانوں کے لئے پسند کرے، اور جو اپنے لئے ناپسند کرے وہ تمام مسلمانوں کے لئے ناپسند کرے، مسلمانوں پر مہربان رہے، چھوٹوں پر رحم کرے، بڑوں کی عزت و تعظیم کرے، ان کے رنج سے رنجیدہ اور خوشی سے خوش ہو، چاہے اس کو اپنے اس رویہ سے دنیاوی نقصان ہی کیوں نہ ہو رہا ہو، مثلاً سودے کے بھاؤ کو کم رکھنا خواہ اس سے بڑا نفع فوت ہو رہا ہو، ان کی ضروریات و کاروبار میں رہنمائی کرنا، دین و دنیا کی باتوں کو سکھانا، ان کے عیوب کو چھپانا، ضروریات کا پورا کرنا، ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرنا ان کو دھوکہ دینے اور ان پر حسد کرنے سے بہت دور رہنا، انکی بہی خواہی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ تکلیف دہ اور ناپسندیدہ چیز کو ان سے دور کرے، حقوق میں ان کے محتاجوں کو مقدم رکھے، بے پڑھوں کو تعلیم دے، ان میں سے جو شخص اپنے قول و عمل میں راہ راست سے ہٹ گیا ہو اس کو حکمت کے ساتھ خوش اخلاقی اور اچھے انداز میں راہ راست پر آنے کی نصیحت کرنا اور سمجھانے میں نرم انداز اپنانا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے " کاش کہ میں تمہارے معاملہ میں کتاب اللہ پر عمل کر پاتا اور تم بھی اس پر عمل کرتے "

اس مفہوم کی وضاحت سنن میں مذکور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابتؓ کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ (تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن خیانت نہیں کر سکتا۔ اللہ کے لئے اخلاص، حکام کی بہی خواہی، مسلمانوں کی جماعت سے جڑے رہنا) یہ حدیث تین باتوں پر مشتمل ہے، اپنے عمل کو خالص اللہ کے لئے کرنا حکام کی بہی خواہی کرنا مسلمانوں کی جماعت سے جڑا رہنا، ان تین باتوں نے اپنے اندر دین کے اصول و قواعد کو سمو لیا ہے، وہ خدا اور بندوں دونوں کے حقوق پر مشتمل ہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔

اسلاف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی کو نصیحت کرنا چاہتے تھے تو اس کو تنہائی میں سمجھاتے تھے۔ بعض بزرگوں نے تو یہاں تک فرمایا: " جس نے اپنے بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اور سمجھایا تو یہ نصیحت

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

[1] مختصر سنن ابوداؤد باب فی النصیحۃ

ادا ہو جاتے ہیں اور مظلوم کی دادرسی کا احساس بھی اس کی کچھ مدد کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اس طرح انسان خواہ دکھاوے کے لئے کرے کچھ نہ کچھ کرتا ہے اگر نفس کو تنہا حکمرانی مل جاتی تو دنیا جلد ہی تباہ ہو جاتی امیر لوگ غریبوں کی زندگیوں کو دشوار کر دیتے ظالم مظلوم کو ختم کر دیتا دنیا کا کوئی عیب عیب نہ سمجھا جاتا آدمی صرف اپنے ذاتی مفاد کی فکر کرتا خواہ وہ دوسرے کی نظر میں کیسا ہی برا کام ہو اور خواہ اس سے کسی دوسرے کو کتنا نقصان ہوتا ہو لیکن ضمیر ہر انسان کے پاس ہے اور وہ زندہ ہو تو کہتا ہے اور بہت سی برائیوں اور زیادتیوں سے روک دیتا ہے۔ اسی لئے اصلاح چاہنے والے ضمیر کو آواز دیتے ہیں ضمیر کو بیدار کرتے ہیں، ضمیر بری بات کو دیکھ کر کہتا ہے کہ بری بات کو لوگ کیا کہیں گے دنیا کیا سوچے گی لوگ کیا رائے قائم کریں گے، یہ بات آدمی کے لئے کچھ روک بن جاتی ہے اور دنیا میں برائی پر جرأت کم ہو جاتی ہے اور بہت سی برائیاں رک جاتی ہیں لیکن یہ جب ہوتا ہے جب ضمیر زندہ ہو بیدار ہو۔

لیکن ضمیر مردہ ہو یا کمزور ہو تو مقابلہ نہیں کر پاتا اور اس وقت دنیا میں ضمیر عموماً مغلوب ہے، نفس کی حکمرانی ہے، اچھے برے کی تمیز اٹھتی جا رہی ہے، مسلمان کے لئے ضمیر اور اللہ کی ناراضی کا خوف دو رکاوٹیں ہیں اور غیر مسلم میں صرف ضمیر کی رکاوٹ ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان دو رکاوٹوں کے باوجود برے حال میں ہیں غیر مسلموں اور دنیا داروں میں وہ کون برائیاں ہیں جو مسلمانوں میں نہیں ہیں حالانکہ وہ خیر امت ہیں، ان کی مذہبی کتاب قرآن مجید ان کے سامنے ہے جس میں جگہ جگہ ان برائیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جن میں خدا تعالیٰ کی ناراضی سے ڈرایا گیا ہے اور ان برائیوں کے برے نتائج بتائے گئے ہیں، حدیث شریف موجود ہے جس کی تعلیمات میں انسان کو خوبیوں اور برائیوں سے واقف کرایا گیا ہے، لیکن ان سب باتوں کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں، ہم اپنے نفع اور مصلحت کے حصول میں دوسرے کے حق کے حدود سے پار ہو جاتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ اپنے عمل کے درست اور صحیح ہونے کے ہر طرح کے دلائل تیار کر لیتے ہیں، اپنا تھوڑا فائدہ ہو رہا ہو تو اس کے نتیجہ میں دوسرے کا زیادہ نقصان بھی نہیں دیکھتے، اپنی پسند کا معاملہ آجائے تو نہ خدا کے حکم پر دھیان دیتے ہیں اور نہ دوسرے کو جو نقصان ہو سکتا ہے اس کو دیکھتے ہیں جہیز لینے کا موقع مل رہا ہو تو یہ نہیں دیکھتے کہ دینے والے پر کیا گذرے گی اور کیا تباہی آئے گی، جہیز کی مقدار کو کم محسوس کرتے ہیں تو بیوی کی زندگی دشوار کر دیتے ہیں، دفتر میں ہوتے ہیں اور کام کرانے والے سے سابقہ پڑتا ہے تو اس کی کس مپرسی کی طرف دھیان دیئے بغیر اس سے جو فائدہ اٹھانا ممکن ہوتا ہے اس کے اٹھانے سے دریغ نہیں کرتے، اپنے کھیت کے چھوٹے ہونے کا احساس ہوتا ہے تو پڑوس کے کھیت سے جتنا ممکن ہو سکے اپنے کھیت میں ملا لینا چاہتے ہیں، بازار میں مال فروخت کرنے ہوتے ہیں تو گراں بیچنے کی کوشش زیادہ کرتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے ضرورت مند آدمیوں کو کیسی ہی تکلیف ہو جائے، اپنی طے کردہ رائے کا دفاع اس طرح کرتے ہیں جیسے وہ عقیدہ کی بات ہو کہ ذرا فرق نہیں ہو سکتا اور دوسرے کی رائے اگر اچھی نہ معلوم ہو تو اس طرح اس کو قابل نظر انداز قرار دیتے ہیں جیسے وہ مذہبی گمراہی ہو اپنی عقل میں اپنی سمجھ پر بے انتہا اعتماد اور دوسرے کی سمجھ کو احمقانہ یا طفلانہ سمجھتے ہیں اپنی رائے پر جم جانا اور دوسرے کی رائے کو ناقابل اعتناء سمجھنا ایک ایسا مرض ہے جو ہمارے مشرق میں اور مسلمانوں میں بڑھا ہوا ہے، اس کی وجہ سے ہر ایک اپنی رائے پر اڑتا ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کے قول و فعل کو مکمل نا سمجھی قرار دیتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے مشرق میں کوئی انجمن ہو یا جماعت کوئی ادارہ ہو یا مسجد اس کے منتظمین متحد نہیں رہ پاتے، اپنی اپنی رائے کو اولیت دیتے ہیں اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ بالآخر لڑ کر ایک دوسرے سے علاحدہ ہو جاتے ہیں پھر ایک دوسرے پر خود رائی اور بے عقلی کا الزام لگاتے ہیں اور شدت بڑھتی ہے تو غیروں کے سامنے مقدمہ لے جاتے ہیں، اور اپنے اپنے عمل کو اللہ کے لئے قوم کے لئے دین کے لئے سمجھتے ہیں، اور دوسرے کے عمل کو خود غرضی اور نفس پرستی قرار دیتے ہیں اس طرح ہمارے تمام ملی کام انتشار کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور برسوں ساتھ کام کرنے والوں کے دل آپس میں بری طرح جدا ہو جاتے ہیں، اگر ہم اپنے عمل اور اپنی رائے میں بھی غلطی اور برائی ہونے کا امکان محسوس کریں اور اس پر خلوص سے غور کر لیا کریں اور دوسرے سے اختلاف رائے کو سلجھانے کا نرم طریقہ اختیار کریں اور اکرام مسلم اور احترام انسانیت کو مد نظر رکھنے کی کوشش کریں تو نہ صرف یہ کہ بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں، بلکہ ٹوٹے دل دوبارہ جڑ سکتے ہیں اور توافق و محبت بحال ہو سکتی ہے، اور ہمارا معاشرہ باہمی ہمدردی تعاون و استحکام کے ساتھ چل سکتا ہے اور ایک دوسرے کے عمل و رائے میں جو کمزوری ہو سکتی ہو وہ بھی خوش اسلوبی کے ساتھ دور ہو سکتی ہے یا کم از کم اس کا ضرر بہت کم ہو سکتا ہے اسی طرح اپنے عمل و رائے کا نیک دلی کے ساتھ جائزہ لیتے رہنا کہ اس میں کیا خدا کی مرضی کے خلاف ہو سکتا ہے اور کیا دوسروں کے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے اور جو غلط محسوس ہو اس سے بچنے کی کوشش کرنا ہمارے معاشرہ کی خوبی اور بہتری کا بڑا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

نعت

محمد شاکر ندوی

تصویر کسی کی بھی دل کو نہیں بھاتی ہے
جب یاد مدینہ کی ہر وقت ستاتی ہے
آقا کی زمیں ایسی کچھ دل کو لبھاتی ہے
طیبہ کی ہوا مجھ کو نغمات سناتی ہے
قرآن کا پیکر تھے قرآن کا جلوہ تھے
افضل ہیں رسولوں میں تاریخ بتاتی ہے
گلیوں میں مدینہ کی مانگیں گے دعائیں ہم
مومن کی دعا اکثر تدبیر بناتی ہے
دنیا کی ہر ایک شئی میں جلوہ نظر آتا ہے
جب ذکر محمد سے روح وجد میں آتی ہے
یہ عشق نبی شاکر جینے کا سہارا ہے
اک بات یہی مجھ کو مولیٰ سے ملاتی ہے

بقیہ :- دینی مدارس کی اہمیت

اگر آپ دیوبند کے نصاب میں انگریزی داخل کر لیں تو ہم دیوبند کی سند کو بی۔ اے کی ڈگری کے برابر تسلیم کر لیں گے اور جب قاسمی حضرات ملیں گے ہم کسی بی اے کو ملازم نہیں رکھیں گے، مولانا محمد احمد صاحب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے یہ تجویز اس وقت کے مہتمم جناب مولانا یعقوب صاحب کو بھیجی مولانا یعقوب صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ جب مولانا محمد احمد صاحب دیوبند تشریف لائے تو مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا محمد احمد تم نے دار العلوم دیوبند کی حیثیت ہی نہیں سمجھی ہم تو ایسے آدمی پیدا کرتے ہیں جن کا گاہک اس دنیا میں کوئی نہ ہو۔ اگر اس کا گاہک اس دنیا میں ہو گیا تو وہ ہمارے کام سے گیا"۔

محترم ان مدارس کے سلسلہ میں علامہ اقبالؒ کا یہ قول یاد رکھ لیں تو بہتر ہوگا۔

" ان مدرسوں اور مکتبوں کو ایسے ہی رہنے دو، یہ مدرسے اور مکتب نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا۔ جو ہوگا وہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، ہزار سال کی حکومت کے باوجود آج اندلس میں اسلام کی یادگار صرف مسجد قرطبہ اور چند عمارتیں ہیں، یہ مدارس نہ رہے تو کہیں اس ملک میں تمہاری یادگار لال قلعہ، جامع مسجد اور قطب مینار ہی نہ رہ جائیں اور تمہارا وجود ختم ہو جائے

علاء الدین ٹی
ٹی کمپنی بمبئی
ALAUDDIN TEA
Tea Co,
44, Haji Building,
S.V. Patel Road, Null Bazar, Bombay 400 003.
Tele: Add CUPKETTLE Tel. 862220/8728708

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور کارکنوں کا صحابۂ کرام کے بارے میں مسلک و عقیدہ

صحابۂ کرامؓ کے تعارف اور انکی سیر و سوانح کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کے سرپرستوں اور فضلاء کا امتیاز اور کارنامہ

از:- مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

" تعمیر حیات " کی اشاعت مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر مولوی عبد اللہ عباس صاحب ندوی کا ایک مضمون " واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر " کے عنوان سے شائع ہوا ہے، جس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض ایسے خیالات اور تاریخی تجزیہ و تبصرہ آیا ہے جس سے ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اسلئے ندوۃ العلماء کے بانیوں، ذمہ داروں اور کارکنوں کے بارے میں وضاحت کی ضرورت سمجھی گئی ہے جو پیش نظر ہے۔

ندوۃ العلماء کے بانی، ذمہ دار اور کارکن اہل سنت والجماعۃ کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے متفقہ اور تحقیقی مسلک کے مطابق " الصحابۃ کلھم عدول " (صحابۂ کرام سب صادق و امین اور معتبر ہیں۔) کے قائل ہیں۔ اور ان کا ایمان ہے کہ تربیت نبوی اور شرف صحابیت کی وجہ سے وہ سب حیات جاہلیت (عہد قبل اسلام) کے اثرات سے ممکن اور زیادہ سے زیادہ قابل تصور حد تک پاک اور محفوظ ہو گئے تھے۔ محققین اور راسخین اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ امت کا بڑے سے بڑا صاحب صلاح و فضائل فرد، صاحب کرامات و خوارق بزرگ کسی غیر مشہور سے غیر مشہور صحابی کے درجہ کو نہیں پہونچتا ہے۔ کہ صحبت نبوی مقبولیت عند اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت ابوسفیان بن حربؓ (والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) اسی جماعت کے فرد ہیں۔ اور شرف صحابیت کے علاوہ ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انکی صاحبزادی حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں سے ہیں، حضرت ابوسفیان نہ صرف اسلام سے مشرف ہوئے بلکہ جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوئے، اور اس میں پامردی اور [illegible]

جو انکی قوت ایمانی اور اخلاص کی دلیل ہے۔

اسی کے ساتھ ائمۂ اہل سنت اور اس گروہ کے تمام محقق و معتبر علماء اور نمائندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافت راشدہ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی، حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت احادیث صحیحہ کے مطابق (جن میں خلافت راشدہ کی مدت کے بارے میں تیس سال کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے)[1] خلافت راشدہ نہیں تھی، یہی حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور آخر میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی کا مسلک اور تحقیق ہے، [2]

اسی طرح گروہ اہل سنت یزید بن حضرت معاویہؓ کو اس دور خیر و برکت میں جماعت صحابہ اور صالحین امت پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں سمجھتا اور ان کو (معتبر تاریخ و سیر کی روشنی میں) اس دینداری اور صلاح و تقوی کے معیار پر پورا اترتا ہوا نہیں پاتا۔ جو ایک مسلمان حاکم اور فرماں روا کے لئے (کم سے کم) اس عہد میں ضروری تھا، بلکہ ان کو بہت سے ایسے مشاغل و عادات کا مرتکب و عادی جانتا ہے۔ جو شرعی حیثیت سے قابل تنقید و مذمت ہیں، پھر انہیں کے عہد میں واقعہ حرہ جیسا سنگین اور قابل شرم واقعہ پیش آیا جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی ہے[3] دونوں نے سخت الفاظ میں یزید کی مذمت کی ہے، لیکن وہ لعن و طعن، سب و شتم اور تبرّا سے محترز اور مجتنب اور رفض و تشیع سے بیزار اور اس کے منکر و مخالف تھے۔ [1]

اس کے نتیجہ میں اور اس پس منظر میں محققین اہل سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو درست سمجھتے ہیں، جو انہوں نے یزید کے معاملہ اور مقابلہ میں اختیار کیا اور ان کو برسر صواب، شہید راہ حق اور امت کے لئے ایک نمونہ پیش کرنے والا باور کرتے ہیں۔

اگر ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف جس کا حاکم و فرماں روا مسلمان ہو، لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق و عادات قابل تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرہ پر برے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام، خروج و بغاوت اور انتشار انگیزی کے مرادف قرار دیا جائے تو پھر خاندان سادات ہی کے ان تین صاحب عزیمت افراد، زید شہید، محمد ذی النفس الزکیہ، اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان اور دو[2] آخر الذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا جو بہر حال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے، اور دو عظیم الشان فقہاء اور مذاہب فقہیہ اہل سنت کے جلیل القدر بانی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے ان کی کھل کر تائید و حمایت فرمائی، حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبد الملک کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی۔ [2]

جہاں تک ندوۃ العلماء کے ادارہ اور اس کے فضلاء اور نمائندوں کے احترام صحابہ کے عقیدہ اور جذبہ اور ان کے کارناموں اور عظمت کے اظہار و اشاعت کے کارنامہ کا تعلق ہے، کم ادارے اور مجالس علمیہ (نہ صرف ہندوستان میں بلکہ موجودہ عالم اسلام میں) اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں، اسی ادارہ کے ایک سرپرست اور نامور نمائندہ علامہ شبلی نعمانی کے قلم سے " الفاروق " جیسی عظیم الشان تصنیف نکلی، جس کی کسی اسلامی زبان میں اپنی طاقت اور برجستگی، محکم استدلال اور بلند علمی معیار میں مثال نہیں ملتی، ندوۃ العلماء کے دوسرے جلیل القدر حامی و داعی اور سرپرست رکن، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم کے قلم سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت میں " سیرۃ الصدیق " کے نام سے وہ کتاب نکلی جو اپنی تاثیر اور ایمان افروزی میں کم سے کم اردو میں بے مثال ہے، اسی طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ کی " سیرت عائشہؓ " وہ فاضلانہ و محققانہ کتاب ہے جس کے ترجمہ کی خود عربی میں ضرورت سمجھی گئی، ندوہ کے ممتاز فضلاء مولانا عبد السلام ندویؒ کے قلم سے " اسوۂ صحابہؓ " (۱-۲) جیسی شاندار اور مفصل کتاب اور " اسوۂ صحابیات " حاجی معین الدین ندوی کے قلم سے " خلفائے راشدین " اور ان کے اور مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے قلم سے " مہاجرین " اور آخر الذکر کے قلم سے " سیر الانصار " کے بعض حصے نکلے۔ [1]

الحمد للہ اس ادارہ کے ذمہ دار اور نمائندے اب بھی اسی عقیدہ و مسلک اہل سنت پر قائم ہیں، اور اب بھی اردو عربی اور انگریزی میں اس مبارک عہد اور اس کے رہنماؤں اور اسلام کے اولین اور بہترین نمائندوں کے تعارف، ان کے حالات اور کارناموں کی اشاعت اور ان کے اتباع اور احترام کی دعوت کا وسیع اور مؤثر کام کر رہے ہیں، ان کی تصنیفات کے تراجم ترکی، انڈونیشی، انگریزی اور فرنچ زبانوں میں کئے جا رہے ہیں اور ان ملکوں کا علمی طبقہ انکو قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے

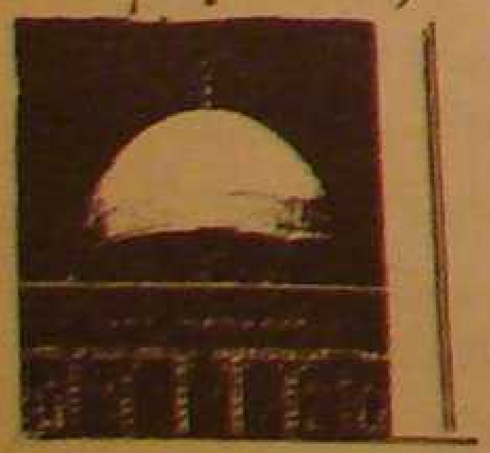

---

[1] ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۱۴۶

[2] " خلفائے راشدین " از مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی، ص ۲۱ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۱ء

[3] ملاحظہ ہو فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۳ طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض

[1] ملاحظہ ہو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب " منہاج السنۃ "

[2] ملاحظہ ہو مناقب ابی حنیفہ ج ۱ ص ۵۵ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو " امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی " [illegible]

[1] یہ سب کتابیں علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سرپرستی میں قائم اور جاری عالمی شہرت کے ادارہ دار المصنفین اعظم گڑھ کی طرف سے شائع ہوئیں اور علمی حلقوں میں مقبول و متداول ہیں۔

جمہوریہ ہند کامیابی و ناکامی کے آئینہ میں

مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
ترجمہ: محمد وصاف عالم ندوی

ہندوستان نے ۱۹۴۷ء میں برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کی اور ۱۹۵۰ء میں جمہوری آئین کا اعلان کیا آئین سازی میں ملک کی تہذیبی، ثقافتی، نسلی، لسانی سیاسی بوقلمونی کو ملحوظ رکھا گیا تھا، اور آئین سازوں نے آئین میں ایک ایسے آزاد ترقی پذیر ملک کا تصور پیش کیا جس میں تمام شہریوں کے حقوق یکساں ہوں انہیں اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو اور عدل و انصاف کی بالاتری ہو اور رنگ و نسل و عقیدہ کی اساس پر کسی کو محرومی کا سامنا نہ کرنا پڑے تعلیم و روزگار کے مواقع سب کو حاصل ہوں۔ اقتصادی ناہمواری دور ہو۔ اور مختلف طبقات کے درمیان امتیاز ختم ہو اس کے لئے اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے لئے خصوصی رعایتیں رکھی گئیں مختلف زبانوں اور تہذیبوں کے فروغ کے لئے اصول مرتب کئے گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کا دستور ہندوستان جیسے ملک کے لئے ایک مثالی دستور ہے اور اس کی وجہ سے ہندوستان نے اپنے ۴۴ سالہ دور حکومت میں بہت سے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے صنعت کاری (جو ملکی معیشت کی سدھار میں اہم حیثیت رکھتی ہے) .... فروغ ہوا اور پیداوار کی شرح کیا ترقی ہوئی اور زرعی اصلاحات کی طرف بھی بھرپور توجہ دی گئی صنعتی میدان میں ملک نے بڑی ترقی کی جس سے روزگار فراہم کرنے میں مدد ملی زرعی پیداوار کے تناسب میں اضافہ ہوا اور کسانوں کی معاشی حالت میں سدھار آیا اس کے علاوہ ذخیرہ اندوزی کی روک تھام بے نادار کسانوں پسماندہ طبقوں میں آراضی کی تقسیم اور ملکیت کی تحدید اور بعض صنعتی اداروں کو قومی ملکیت میں لینے سے ملک کو پسماندگی سطح سے اوپر اٹھانے میں مدد ملی۔ تعلیم کے مواقع میں اضافہ ہوا جس سے صرف شہروں ہی میں نہیں بلکہ دور دراز دیہات، قصبات میں تعلیم کو عام کرنے ناخواندگی کو کم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی دیہی علاقوں میں روشنی کے نظم و نسق کے لئے بجلی فراہم کی گئی ایٹمی میدانوں میں بھی بعض کامیاب تجربے کئے گئے اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اس سے کام لیا جانے لگا فضائی تحقیقات میں بھی ملک کو کامیابی حاصل ہوئی اور ماہرین کی ایک بڑی تعداد ایشیا افریقہ کے مختلف ملکوں میں صنعتی میدان میں تعاون کر رہی ہے۔

ابتدائی دہائیوں کی ترقی کو دیکھ کر بعض مبصرین پیشین گوئی کرنے لگے تھے کہ مستقبل قریب میں ہندوستان عالمی برادری میں ایک باوقار حیثیت کا حامل ہوگا اور ایشیا و افریقہ کے بہت سے مختلف النوع ثقافت و تہذیب متعدد رنگ و نسل کے حامل ملکوں کی تعمیر و ترقی اور ان کی مشکلات کو حل کرنے اور وہاں کی ناخواندگی و پسماندگی پر قابو پانے میں ہندوستان ان کے لئے آئیڈیل ثابت ہوگا۔

ایک ایسا مرحلہ بھی آیا کہ بعض سیاسی مبصرین نے اس کو "منی سپر پاور" کا خطاب دے دیا اور مستقبل کا سپر پاور بننے میں کم لوگوں کو شک تھا۔ لیکن آخری دہائیوں کے بعض غلط اقدامات اور پالیسیوں کے نتیجہ میں یہ توقعات غلط ثابت ہونے لگیں خاص طور سے گذشتہ چند سالوں سے اقتصادی زبوں حالی سیاسی بے چینی ملکی انتشار و افتراق، قومی یک جہتی کے فقدان نے ملک کی ساکھ ہلا کر رکھ دیا۔ بڑھتی ہوئی عصبیت علاحدگی پسندی کا رجحان اور آپسی تناؤ کی فضا پورے ملک میں پیدا ہوگئی۔ اور چھوٹے چھوٹے قومی ڈھانچوں کے قیام کا تصور بڑھ رہا ہے اور سب سے زیادہ تشویشناک مسئلہ یہ ہے کہ اس تنگ نظرانہ رجحان میں طاقت کے استعمال کا عنصر شامل ہو رہا ہے اور ملک کے طول و عرض میں مختلف صوبوں اور خطوں میں علاحدگی پسند تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور چھوٹی چھوٹی ناقابل ذکر برادریاں بھی سر اٹھانے لگی ہیں مذہبی اور نسلی عصبیت ملکی مزاج بنتی جا رہی ہے اور کتنی ہی دہشت گرد تنظیمیں قائم ہو چکی ہیں جو قتل و غارتگری میں مشغول ہیں۔

یہ صورت حال اگر کسی ایک خطہ کسی ایک طبقہ کے ساتھ خاص ہوتی تو اس پر قابو پانا ممکن تھا لیکن یہاں یہ مسئلہ پورے ملک میں کسی سیلاب .... کی طرح چل پڑا ہے اور حالت یہ ہے کہ ملک کی معاشی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے جس کی وجہ سے قائدین سلطنت کو متعدد بار تخفیف زر کا عمل دہرانا پڑا۔ اس وقت ملک کا پورا وجود بیرونی قرضوں اور اس پر عائد ہونے والے سود سے بوجھل ہو رہا ہے اور ملک اپنے اندر اس کی ادائیگی کی قوت نہیں پا رہا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ سوویت یونین کی فکری، معاشی ناکامی کا اثر براہ راست اسی پر مرتب ہوا کیونکہ ہندوستان سوویت یونین پر سب سے زیادہ اعتماد کرنے والا ملک سمجھا جاتا تھا جو اپنا دفاعی و اقتصادی سہارا بس اسی کو سمجھ بیٹھا تھا اس کی پاداش میں اس کے یہ دونوں شعبے کمزور سے کمزور تر ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف میدانوں میں ناکامی و پسپائی نے ہندوستانی جمہوریت کو معرض خطر میں ڈال دیا ہے حتیٰ کہ قائدین ملک کو ہندوستانی ثقافت رواداری اہنسا، شخصی آزادی جیسے قدروں کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ ملک میں ایسی انتہا پسند تحریکوں کو فروغ ہو رہا ہے جن کا مطمح نظر محض ایک تہذیب کے فروغ ایک ثقافت کی بالادستی ایک قانون اور ایک قومیت کی بالاتری ہے اور اس کو وہ بزور بازو لوگوں سے تسلیم کرا لینا چاہتی ہیں اور اپنی پوری طاقت و توانائی، ساری دولت و ثروت اور سارے وسائل کو اس کے حصول کے لئے قربان کر دینا چاہتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ عصبیت عصبیت کو جنم دیتی ہے نہایت اندیشناک مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی اکثریت میں عصبیت کا مزاج پیدا ہو گیا ہے اور اس کے اثرات اس طبقہ میں سرایت کر گئے ہیں جو ... اقتدار پر متمکن ہے اور ذرائع ابلاغ پر جس کا کنٹرول ہے انصاف پسند قائدین میں اس سے پنجہ آزمائی کی تاب نہیں ہے اسی عصبیت بجائے متعدد عصبیتوں کو جنم دیا ہے اس لئے کہ جب اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں کے اندر احساس محرومی مظلومی اور ارکان سلطنت کی بے التفاتی کا شعور پیدا ہو گیا تو اسی احساس محرومی کو اساس بنا کر یکے بعد دیگرے موسمی لیڈر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس احساس کمتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے جزیرہ نما مستقل حکومتوں کے قیام کا خاکہ پیش کرنے لگے حریت و مساوات کا نعرہ دے کر قوموں کے سوئے ہوئے جذبات کو ابھار دیا۔

کانگریس جو آزادیٔ ہند کے بعد سے برابر برسر اقتدار رہی وہ واحد سیاسی پارٹی ہے جس کی بنیاد ملکی سالمیت و قومی یکجہتی پر قائم ہے اسی نے ملک و قوم کو یہ دستور دیا ہے اس پارٹی کے چوٹی کے لیڈران میں گاندھی جی، جواہر لال نہرو، ابوالکلام آزاد رفیع قدوائی جیسے مقتدر سیاست داں ہیں جنھوں نے ملک کو سیاسی جمہوریت آپسی رواداری، بھائی چارگی کا مزاج دیا تھا اور ایک ایسے معاشرہ کا خاکہ پیش کیا تھا جس میں مختلف زبانوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کی آمیزش ہو لیکن بدقسمتی سے ادھر چند سالوں سے پارٹی میں کچھ ایسے لوگ داخل ہو گئے جن کا ماضی علاحدگی پسند اور عصبیت کی علمبردار پارٹیوں سے وابستگی کی وجہ سے داغدار ہے ایسے لوگ پارٹی پر چھا گئے ہیں ان قائدین کے انتہا پسند متعصب جماعتوں سے رازدارانہ مراسم ہیں جو پوری آزادی اور سرگرمی کے ساتھ پورے ملک میں دندناتے پھر رہے ہیں اور حکمراں پارٹی ان کے نظریات و افکار سے مسلسل چشم پوشی برت رہی ہے اور اسی چشم پوشی سے یہ پارٹیاں ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔

جدید ہندوستان میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کو صرف اسی نہج پر حل کیا جا سکتا ہے جس نہج کو معماران ہند نے اپنے دور میں قائم کیا تھا یہ حقیقت ہے کہ مایوسی اور مظلومی کا احساس ہی انقلاب بپا کرتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی قوم کا طویل زمانہ تک استحصال نہیں کیا جا سکتا یہ تمام مشکلات اور یہ سارا انتشار محض اس کوشش کا نتیجہ ہیں کہ اکثریت اور ہندو قومیت کے پردہ میں کسی ایک گروہ کی سیادت و قیادت کو تمام قوموں پر تھوپنے کی کوشش کی جا رہی ہے اس گرتی ہوئی اقتصادی ساکھ اور کمزور دفاع اور ناخواندگی و افلاس پر قابو پانا ممکن ہے جبکہ قوموں کے دل مستحکم ارادوں سے معمور ہوں اور یہ آہنی ارادہ اسی وقت تک باقی رہے گا جب تک پوری قوم اتحاد و اتفاق کا پیکر ہو اور اس قوم کا ہر ہر فرد اپنے انجام سے باخبر عزت نفس قلبی سکون کی دولت سے بھی مالا مال ہو اور اپنی قومیت کی طرف انتساب اس کے لئے باعث فخر ہو اس کی قیادت پر اس کا اعتماد ہو ورنہ جدید ترین طاقت و وسائل بھی کسی ایسے ملک کو انتشار و افتراق سے بچا نہیں سکتے جس کے باشندوں میں باہمی اعتماد کا فقدان ہو۔

ممتاز نو مسلم اسلامی فاضل و مفکر محمد اسد صاحب مرحوم

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

مارچ کی آخری تاریخوں میں بعض اردو اخبارات کے ذریعہ ایرانی اخبار "کیہان" کے حوالہ سے نامور اور ممتاز ترین نومسلم فاضل، مفکر و داعی محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس) کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی، ہندوستان اور بہت سے اسلامی ممالک کے اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور صاحب نظر اشخاص بھی ان کے حالات، خصوصیات اور خدمات سے ناواقف ہوں گے، اس لئے ہم یہاں پر مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کے قلم سے لکھے ہوئے اس مقدمہ کے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں، جو انہوں نے انکی معرکۃ الآراء کتاب (Road to Mecca) کے اردو ترجمہ "طوفان سے ساحل تک" کے لئے لکھا تھا، اس سے انکی شخصیت، فکر و کمالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے،

محمد اسد صاحب معاصر مغربی دنیا کے بارے میں اپنے تاثرات و مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک دنیا جہاں اضطراب اور ابال ہو، یہ تھی ہماری دنیا، حد درجہ تباہی و خونریزی جس کی مثال ملنی مشکل ہے، اجتماعی روایات میں سرکشی، فکری مذاہب میں تصادم زندگی کے نئے نئے طریقوں اور فیشن کے لئے ہر جگہ ایک سخت کش مکش، یہ ہیں ہمارے دور کے خصائص اور اوصاف جنگ عظیم کے دھویں کے ہولناک بادلوں اور تباہ کاریوں سے لے کر چھوٹی چھوٹی جنگوں تک جن کا کوئی شمار ہی نہیں، انقلاب اور جوابی انقلاب، اقتصادی اور معاشی پریشانیاں جو اس زمانہ کی تمام دشواریوں اور پریشانیوں سے بڑھ چڑھ کر تھیں، ان تمام ہولناک واقعات نے یہ حقیقت ظاہر کر دی تھی کہ فنی صنعتی اور مادی ترقیات پر مغرب کے ساری زور آزمائی موجودہ انتشار اور بدنظمی میں ذرا بھی کمی نہیں کر سکتی"

دوسری جگہ مغرب کے روحانی خلا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"بیسویں صدی کے ابتدائی سال اس لحاظ سے خاص امتیاز رکھتے ہیں کہ ان میں نمایاں طور پر ایک روحانی خلا (Spiritual Vacuum) پایا جاتا تھا، وہ ساری اخلاقی اور روحانی قدریں جن سے یورپ صدیوں سے آشنا تھا، اب کسی خاص اور متعین شکل پر باقی نہیں رہ گئی تھیں، یہ ان ہولناک واقعات کا نتیجہ تھا جو ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان پیش آئے، بظاہر اس کی کوئی توقع بھی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ اقدار کا کوئی نیا مجموعہ ان قدروں کی جگہ لے سکے"

یہ تھی وہ دنیا جس میں محمد اسد نے لیوپولڈ ویس [illegible] کے نام سے اور آسٹریا میں ایک یہودی ربی خاندان کے چشم و چراغ کی حیثیت سے آنکھ کھولی اور جسمانی و ذہنی نشو و نما حاصل کیا یہودی عالموں اور دینی پیشواؤں کے خاندان کے ماحول جہاں نسلی غرور اور احساس برتری بچہ بچہ کی گھٹی میں پڑا ہوا ہوتا ہے فلسفہ اور تاریخ و ادبیات کا وسیع اور گہرا مطالعہ فنون لطیفہ کا فطری ذوق، جرمنی کی بحرانی اور رواں دواں زندگی، یورپ کا صنعتی و سائنسی عروج، صحافت کی مشغولیت ہر چیز اس نوجوان کو اس سمندر میں گم ہو جانے اور اپنے کو زمانہ کے بہتے ہوئے دھارے کے حوالہ کر دینے کی دعوت دیتی تھی، اس کا موروثی منصب پیشوائی، اسکی غیر معمولی صلاحیتیں، اسکی صحافتی کامیابی، اس کا ادبی ذوق، ہر چیز اس کے کامیاب و شاندار مستقبل کی ضامن تھی، اور تہذیب جدید کے اس شاہراہ عام سے اس کے ہٹنے اور اس نظام فکر و عمل سے اسکے باغی ہونے کے کوئی آثار نہ تھے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے لیوپولڈ ویس کو ایک بڑی دولت سے نوازا تھا، وہ دولت جو ان خوش نصیب افراد کو ملا کرتی ہے جو اپنے زمانہ کے ظلمات میں چشمہ حیواں دریافت کرتے ہیں اور رسم و رواج کے آذرکدہ میں ابراہیمی فطرت لے کر پیدا ہوا کرتے ہیں (یعنی بے چینی و بے اطمینانی، نئی چیز کی تلاش، انہوں نے اپنی نوعمری اور نوجوانی کے دور کے جو تاثرات قلم بند کئے ہیں ان سے ان کے عقلی بلوغ، سلامت فطرت، ذہانت اور اس مبارک بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کے بعد سے جب تک وہ یورپ میں رہے اور جب انہوں نے مشرق میں عرب ممالک اور ایران و افغانستان کا سفر کیا وہ غیر شعوری طور پر ایک مسلمان کی طرح نہ صرف دماغ سے بلکہ اپنے جذبات کے ساتھ سوچتے رہے، انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، مگر اسکی توانائی وقوت حیات، اور اس کے دوبارہ عروج وارتقاء کی صلاحیتوں پر ان کو بہت سے نسلی مسلمانوں سے زیادہ یقین تھا، سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ یورپ کے عام مفکرین و فضلاء کے (جو مسلمانوں کے زوال کو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں) برخلاف مسلمانوں کے تنزل اور پستی کو اسلامی تعلیمات و شریعت سے انحراف و غفلت کا نتیجہ قرار دیتے تھے"

بالآخر وہ وقت آگیا کہ ان کو اس تضاد کا احساس ہوا جو انکی ذہنی کیفیت اور انکی زندگی کے رویہ میں تھا، اور ان کو یہ انکشاف ہوا کہ اسلام ان کے دل و دماغ میں گھر کر چکا ہے۔

ان کا اسلام کا مطالعہ جاری رہا، اور ان کا قلبی لگاؤ اور دماغی اطمینان بڑھتا رہا اور اسلام کے ساتھ انکی گرویدگی میں اضافہ و استحکام ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ ان کو اسلام ایک ایسی عظیم الشان عمارت کی طرح نظر آنے لگا جس کو کسی کامل الفن معمار اور مہندس نے تعمیر کیا تھا اور جس کی ہر اینٹ اور ہر پتھر اپنی صحیح جگہ پر تھا اور جس میں نہ کوئی چیز کم تھی نہ زائد نہ بے محل، اب کسی اور چیز کا انتظار باقی نہ تھا، لیوپولڈ ویس نے برلن میں اپنے ایک مسلمان دوست کے پاس جا کر کلمہ شہادت پڑھا اور اب وہ "محمد اسد" کے نام سے اس امت اور اس عالم کا ایک جزو بن گئے جس کی اس معجز نظام کلام اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری نبوت اور تعلیم نے بنیاد ڈالی تھی اور جو ان کو پہلے سے عزیز و مانوس تھا۔

محمد اسد نے اپنے وجود اور دلچسپیوں کو اس امت کے وجود، دلچسپیوں اور اس عالم کے مسائل و افکار میں اس طرح ضم کر دیا جیسے ایک خاندان کا فرد اپنے وجود اور شخصیت اور صلاحیتوں کو اس خاندان کے وجود، دلچسپیوں اور مسائل میں ضم کر دیتا ہے، انہوں نے ذوق و شوق کے ساتھ حج و زیارت کا سفر کر کے اس دین کے ساتھ اپنا روحانی ارتباط اور وابستگی مستحکم کی، جزیرۃ العرب میں ایک مسلمان کی حیثیت سے قیام کر کے عربی زبان اور دینیات اور اسلامی معاشرہ سے اپنی واقفیت اور تعلق کو بڑھایا اور اس معاشرہ اور اس کے ذمہ دار افراد سے اتنا گہرا تعلق اور ان کا ایسا اعتماد حاصل کیا کہ سلطان ابن سعود کے معتمد اور امام سنوسی کے قاصد کی حیثیت سے نازک مہمیں انجام دیں، ہندوستان کے قیام میں انہوں نے (Islam at the Cross Roads) کے نام سے ایک ایسی پُرمغز اور فاضلانہ کتاب لکھی جس سے ہندوستان اور عالم اسلام کے علمی و دینی حلقوں میں ایک ذہنی جنبش پیدا ہو گئی انہوں نے پہلی مرتبہ معذرت آمیز اور نیازمندانہ طرز تحریر چھوڑ کر مغربی تہذیب پر جرأتمندانہ طریقہ پر بھرپور تنقید کی، اور ثابت کیا کہ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کی بنیادوں اور نقطۂ آغاز میں اختلاف ہے اور ان دونوں کا اتحاد ممکن نہیں، اسی کے ساتھ انہوں نے "سنت و حدیث" کی ..... طاقت ور وکالت کی اور اسلامی نظام زندگی میں انکی اہمیت اور ضرورت ثابت کی، پھر جیسا کہ انہوں نے پیش نظر کتاب کے مقدمہ میں اظہار کیا ہے علامہ اقبال کی رفاقت و رہنمائی میں فکر اسلامی کی تعمیر کا کام بھی کیا، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے

عرفات ARAFAT کے نام سے ایک انگریزی رسالہ اور صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا عظیم الشان کام بھی شروع کیا جو بدقسمتی سے ناتمام رہ گیا،

راقم سطور کی ملاقات ان سے پہلی مرتبہ مکہ معظمہ اور دوسری بار دمشق اور لبنان میں ہوئی جہاں وہ اپنی اس شہرۂ آفاق کتاب (THE ROAD TO MECCA) کا عربی ترجمہ اپنی نگرانی میں کرا رہے تھے، جب یہ ترجمہ شائع ہوا تو انہوں نے ازراہ کرم اس کا ایک نسخہ مجھے بھی بھیجا، میں اس کتاب کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا، انہوں نے اپنے ذہنی سفر و ہجرت کی داستان اور قبول اسلام کی کہانی بڑے نفسیاتی اور ادبی انداز سے سنائی تھی، انہوں نے اس موضوع کو توڑ کر اس کے اجزاء کو صحرائے عرب کے پُر خطر سفروں، عرب کے اجتماعی و معاشرتی زندگی کے تجربات، عرب قبائل اور ان کے سرداروں اور سلطان ابن سعود اور ان کے خاندان کے امراء کے دلچسپ حالات میں اس طرح تقسیم اور پیوست کر دیا تھا کہ ایک مغربی ان کو اسی شوق اور دلچسپی اور لذت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے جس شوق و دلچسپی اور لذت کے ساتھ وہ سندباد جہازی کے سفرنامے یا مشرق کے کسی دلچسپ اور پُراز معلومات روداد سفر کو پڑھتا ہے، گویا انہوں نے ایک خشک اور شاید تلخ موضوع کو شکر کے غلافوں میں لپیٹ کر پیش کیا ہے

لیکن جب مجھے ایک سفر کی فرصت میں کتاب کے عربی ترجمہ "الطریق إلی مکہ" کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقعہ ملا تو میں مصنف کی نفسیات شناسی، بالغ نظری، اور حکمت و دعوت کا قائل ہوگیا کہ انہوں نے اسلام کی دعوت ایسے حکیمانہ انداز میں دی ہے کہ یہ کتاب مغرب کے باشندوں اور ہندوستان کے غیر مسلموں کے لئے، اسلام اور اسلامی تہذیب کو سمجھنے کے لئے ایک اچھی تقریب اور تمہید بن گئی ہے، اس میں ناول کا لطف اور کہانی کی دل آویزی بھی ہے اور علم و فلسفہ کی سنجیدگی اور معلومات کا ذخیرہ بھی، سادگی بھی ہے پُرکاری بھی، تفریح کا سامان بھی ہے اور زندگی کی رہبری اور انقلاب انگیزی کی صلاحیت بھی، اسی بناء پر اس نے امریکہ اور یورپ میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور انگریزی کے علاوہ (جس میں اصل کتاب ہے) یورپ کی چار زبانوں جرمن، سویڈی (SWEDISH) ولندیزی اور فرنچ میں کتاب کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

مجھے اس سفر میں خیال آیا کہ اگر اس کتاب میں مصنف کے حالات و مشاہدات و تاثرات اور واقعات زندگی (جو کتاب میں نہایت غیر مرتب اور منتشر طریقہ پر بیان کئے گئے ہیں) انتخاب کر کے ان کو ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے تو وہ محمد اسد صاحب کی مرتب سوانح اور سفرنامہ اور ان کے قبول اسلام کی ایک مکمل تاریخ بن جائیگی، اور افادیت کے اضافہ کیساتھ اس کی دل آویزی اور دلچسپی بھی قائم رہے گی "میں نے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کی جانب سے اس کے ترجمہ اور انتخاب کی اجازت مانگی جو انہوں نے ازراہ کرم خود بھی منظور فرمائی اور ناشر کی طرف سے بھی اجازت بھیج دی اور اس کے اردو ترجمہ و طباعت کے حقوق مجلس کو عطا کئے،

راقم کی آخری ملاقات غالباً ۱۹۶۴ء ۱۹۶۵ء میں جنیوا میں ہوئی جہاں اسلامک سینٹر کے جس کا میں شروع سے رکن چلا آرہا تھا، شرکت کے لئے گیا ہوا تھا، محمد اسد صاحب خود ہی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور انہوں نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ عنایت فرمایا، جو انہوں نے قریبی زمانہ میں تیار کیا تھا، راقم نے اس کے بعض تفصیلی حواشی اور نوٹس سے قدرے اختلاف کرتے ہوئے ترجمہ کو اپنی صحت اور زبان کی خوبی میں بہتیرے انگریزی تراجم سے بہتر پایا۔

اس کے بعد مرحوم نے حکومت مراکش کے ایک ساحلی مقام پر مستقل سکونت اختیار کرلی اور افسوس ہے کہ پھر اس کے بعد ان سے خط و کتابت یا کسی قسم کا علمی، تحریری رابطہ قائم نہیں ہوسکا اور ان کے حالات و مشاغل و سرگرمیوں سے بالکل بے خبری رہی اس میں اپنی ہی کوتاہی کو دخل تھا۔ جس کا اعتراف بھی ہے اور افسوس بھی، لیکن اسی کے ساتھ اسلامی عربی و انگریزی مسلم صحافت اور اسلامی، علمی حلقوں کی بھی ذمہ داری ہے جنہوں نے کبھی ان سے رابطہ قائم نہیں کیا اور ان کے حالات علمی و دینی مشاغل اور تازہ فکر و مطالعہ کے نتائج سے عالم اسلام اور عالم عربی کو مطلع کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ بالآخر فروری ۱۹۹۲ء میں ان کا حادثۂ ارتحال پیش آیا۔ اور مارچ کے آخر میں ہندوستان کے ایک دو اردو اخبارات میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ "غالباً فروری کے تیسرے ہفتہ میں ان کا اسپین میں انتقال ہوگیا اور وہیں کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی"۔

دینی مدارس کی اہمیت

[illegible]

قومی آواز مورخہ ۸ فروری ۱۹۹۲ء میں جناب ایم اے سراج صاحب کا مضمون "دینی مدارس نصاب تعلیم میں جدید علوم کو شامل کرنے کی ضرورت کیوں" نظر نواز ہوا۔

یہ مسئلہ آج کا نہیں ہے بہت پرانا ہے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے جشن صدسالہ کے موقع پر یہی بات خسرو صاحب نے بھی کہی تھی کہ عربی مدارس کے نصاب میں جدید علوم شامل کئے جانے چاہئیں جس کا جواب مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی نے دیا تھا کہ آخر دینی مدارس سے ہی نصاب تعلیم میں تبدیلی اور جدید علوم کی شمولیت کا مطالبہ کیوں ہے، آپ کو اپنے نصاب کے مطابق نئے دینی مدارس کھولنے میں کیا چیز مانع ہے آپ اپنے نئے مدارس کھول کر ان کی افادیت ثابت کر دیجئے دوسرے لوگ خود بخود اس کی تقلید کرلیں گے۔

دوسری مرتبہ یہ مسئلہ اس وقت پیش آیا جب جناب حکیم عبدالحمید صاحب بانی جامعہ ہمدرد نے ادارہ اسلامیات کی طرف سے دینی مدارس کے نصاب کے سلسلہ میں میٹنگ بلائی اور ان سے سائنس اور انگریزی وغیرہ کو شامل نصاب کرنے کو کہا گیا تو اس وقت بھی میں نے مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کا جواب دہراتے ہوئے عرض کیا تھا کہ حکیم صاحب ادارہ اسلامیات کے تحت اپنا ایک دارالعلوم قائم کریں۔ اور اس میں اپنا مجوزہ نصاب رائج فرمائیں اور اس کی افادیت ثابت کریں لوگ خود بخود اس کی طرف راغب ہو جائیں گے۔

موصوف نے ان مدارس میں قدیم فلسفہ و ہیئت کی تعلیم کا ذکر کیا ہے شاید انھیں یہ نہیں معلوم کہ اب یہ علوم ایک فیصدی مدارس میں بھی نہیں پڑھائے جاتے اور پہلے بھی ضمنی طور پر پڑھائے جاتے تھے۔ تاکہ اس دور کے مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اب رہ جاتا ہے ان مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کا معیار تعلیم تو سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آج کل ان مدارس میں پڑھنے کون آتا ہے؟ وہ سماج کے سب سے مفلس، پسماندہ طبقہ کے بچے ہوتے ہیں جن کا ذہنی نشوونما مجبوریوں کے حالات میں ہوتا ہے، جنھیں دنیا کے حالات کے مقابلے میں اپنی روزی روٹی کی فکر زیادہ کرنی ہوتی ہے ایسی حالت میں ان کی اکثریت سے کسی اعلا تعلیمی معیار کی توقع رکھنا بے سود ہے، پھر ان کے بارے میں یہ گلہ کہ انھیں جدید عربی نہیں آتی، یہ آل انڈیا ریڈیو میں اناؤنسر نہیں ہو سکتے وغیرہ وغیرہ بھی بے سود ہے۔ ان مدارس کے قیام کا مقصد دین اسلام کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ رکھنا ہے ان کی ضرورت جدید عربی نہیں ہے بلکہ قرآن اور حدیث کی عربی ہے، تاکہ یہ اسلامی علوم کو اگلی نسلوں تک ان کے حقیقی معنی کے ساتھ منتقل کرسکیں۔ اب رہ جاتا ہے ان کے روزگار کا سوال ~~تو آپ~~ ہزاروں گریجویٹ تو بے روزگار مل جائیں گے لیکن کوئی مولوی بے روزگار نہیں ملے گا حسب صلاحیت وہ اپنا روزگار خود تلاش کرلیتا ہے بلاشبہ ان میں بعض قابل اعتراض حضرات بھی ملیں گے لیکن یہ تناسب جدید علوم والوں سے کم ہی ہوگا۔ دینی مدارس کے طلباء کی منزل مقصود روزگار نہیں ہے، تبلیغ دین اور فلاح آخرت ہے، اس ضمن میں آپ کے علم کے لئے ایک واقعہ تحریر کر رہا ہوں۔

"جناب قاری محمد طیب صاحب مرحوم کے والد جناب مولانا محمد احمد صاحب ایک بار کسی پروجیکٹ کے سلسلہ میں ریاست حیدرآباد سے منسلک ہوگئے ان کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے دو فارغین بھی داخل ملازمت ہوئے جو بے انتہا مخلص، دیانتدار اور محنتی کارکن ثابت ہوئے، اس پر نظام حیدرآباد نے مولانا احمد صاحب سے فرمایا کہ ہمارے دفتر والوں کی ایک ضرورت انگریزی بھی ہے

(باقی صفحہ پر)

إنا لله وإنا إليه راجعون رحمه الله وجزاه عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء

امت اسلامیہ کا مقام بلند

عقل و نقل کی روشنی میں

یہ مقالہ الجزائر کے بین الاقوامی مذاکرہ علمی میں (ادوم اکتوبر؟) پیش کیا گیا!

(مولانا) سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی

ترجمہ / محمد فہیم اختر ندوی

اس امت کی فضیلت اور اس کی عظمت و شان نیز دیگر اقوام کے درمیان اس کے امتیاز کے یہ چند نمایاں پہلو تھے، ان سب سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ تمام اقوام کی اور ہر علاقہ میں قیادت و رہنمائی کا فریضہ انجام دے، قیامت کے دن امت مسلمہ ہی ان تمام امتوں پر گواہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت میں اس امت کو دعوت الی اللہ کا حکم دیا ہے۔

"ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر" (آل عمران ۱۰۴)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو تبلیغ و دعوت کا حکم دیا، فرمایا:

"بلغوا عني ولو آية"

(میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو)

اس کے اولین مخاطب اور ان صفات کمال کے مصداق وہ خوش نصیب تھے جنھیں حضور علیہ السلام کی صحبت بابرکت نصیب ہوئی، جنھوں نے آپ کے ڈگر پر چل کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا، پھر اس کے مخاطب آپ کی امت کے وہ تمام لوگ ہوں گے جو قیامت تک آتے رہیں گے، آپ کے صحابہ کرام میں اکثر سرزمین عرب کے تھے، لیکن آپ نے اس ذمہ داری کو کسی ایک جنس یا ایک زمانہ یا کسی خاص علاقہ اندر محصور نہیں رکھا، خدا نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا تھا، اور آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت بنایا تھا، آپ پر اپنے دین کی تکمیل فرمائی تھی، خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین کی اس ہمہ گیری اور آفاقیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأبيض على أسود ولا لأسود على أبيض إلا بالتقوى كلكم من آدم وآدم من تراب"

(کسی عربی کو عجمی پر یا کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر تقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے فضیلت نہیں ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے)

اس کا نمونہ خود آپ کے صحابہ کرام میں جلوہ گر تھا، آپ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے والوں میں روم کے گورے صہیب بھی تھے، حبش کے کالے بلال بھی اور فارس کے زرد سلمان بھی، اس لئے کہ آپ کی بعثت عالمی تھی، پھر ایک زمانہ کے لئے بھی نہیں بلکہ قیامت تک انسانیت کی رہنمائی و قیادت کا عظیم رول آپ کے ساتھ وابستہ تھا، اور اللہ عزوجل نے آپ کی اس عالمگیر دعوت کو آپ کی راستباز امت کے ذریعہ جاری و ساری رکھا، اسے دوسری امتوں پر گواہ بنایا، اور اپنے رسول کو خود اس پر گواہ بنایا، اپنے دین کو عالمگیر اور دوسرے ان تمام ادیان کے لئے ناسخ بنایا جو اپنے اپنے محدود علاقوں اور دائروں میں کام انجام دے رہے تھے، یہ دین اپنی آفاقیت اور گیرئیت کی وجہ سے کامل و مکمل دین بن کر آیا، اسے کسی وضاحت کی ضرورت نہ رہی، اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا، (مائدہ ۳)

(اور آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس دین کے اسی کمال نے اسے سارے عالم کا مقتدا بنایا، اور پوری حیات انسانی کے لئے ایک دستور و قانون کے مقام پر فائز کیا، امت مسلمہ پر نعمت خداوندی کا اتمام اس بات کی واضح دلالت تھی کہ خدائے عزوجل نے اس امت کو جو مقام بخشا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس امت کو امتیازی طور پر رفعت و سربلندی اور فضل و شرف عطا کیا گیا، اسے دیگر اقوام پر گواہ بنایا گیا، دین کا کمال، نعمت الٰہی کا اتمام اور اس دین کے ذریعہ رضائے الٰہی کا حصول ان تینوں نے مل کر اس امت کو جو بلند مقامی عطا کی ہے اور جس منصب پر فائز کیا ہے، وہاں تک کوئی دوسری قوم نہیں پہنچ سکی ہے اسی فضیلت کو محسوس کر کے ایک یہودی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ اگر یہ آیت ہم لوگوں میں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن مناتے۔

اس امت کی صفت وسطیت میں یہ بھی شامل ہے کہ خدا تعالیٰ کی آخری کتاب اس پر نازل کی گئی، وہ کتاب جو حق و باطل کے درمیان فارق ہے، جسے خدا نے نگہبان اور شفا بنایا ہے اور جس کی حفاظت کا خود ان الفاظ میں وعدہ فرمایا ہے:

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون (حجر ۹)

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم نے ہی اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

قرآن مجید ہی وہ تنہا آسمانی کتاب ہے جس کے حروف، نقطے حتی کہ رسم الخط تک میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں واقع ہوئی، یہ کتاب اس طرح بھی منفرد ہے کہ اسے مکمل طور پر زبانی یاد کیا جاتا ہے، اور اس کے حفاظ اس بڑی تعداد میں ہیں جس کا شمار ممکن نہیں، قرآن اس باب میں بھی بے مثال ہے کہ لوگ اسے محض ایک مقدس دینی کتاب کی تلاوت کے طور پر نہیں پڑھتے بلکہ علمی، دینی، تشریعی (قانونی) اخلاقی حتی کہ ادبی استفادہ کی غرض سے بھی پڑھتے ہیں، لوگوں نے اسے سب سے بلیغ اور فصیح کتاب تسلیم کیا ہے، قرآن خود گویا ہے:

قرآنا عربيا غير ذي عوج (زمر ۲۸)

(یہ قرآن عربی (ہے) جس میں کوئی عیب (اور اختلاف) نہیں۔

اس امت کے رسول بھی آخری رسول ہیں، خدا نے انھیں خاتم الانبیاء بنا کر تمام لوگوں کی جانب اور سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، رحمت کسی ایک امت یا کسی ایک شہر و ملک کے لئے نہیں، گذشتہ انبیاء نے آپ کی بشارت سنائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ارشاد ہوا:

يا بني إسرائيل إني رسول الله إليكم مصدقا لما بين يدي من التوراة ومبشرا برسول يأتي من بعدي اسمه أحمد۔ (صف ۶)

اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں۔

خدا نے آپ کی ذات والا صفات کو جامع کمالات بنایا، رسالت کے مختلف پہلو قیادت کے نوع بہ نوع خصائص اور بلند انسانی اخلاق آپ کی ذات میں جمع تھے، آپ کی شریعت ہمہ گیر تھی سیاسی اور فوجی قیادت کی اعلیٰ صلاحیت کے آپ حامل تھے، وسیع پیمانہ پر ایک علمی و فکری بیداری آپ نے پیدا کی، انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے نہایت مضبوط بنیادوں پر آپ نے اسلامی زندگی کی تعمیر فرمائی، آپ کی ذات سے انسانی تاریخ کا ایک نہایت زریں و روشن باب کا آغاز ہوا ایسا باب جیسا اس سے قبل دیکھنے میں نہ آیا تھا جہاں دین بھی تھا اور دنیا بھی تھی، اخلاق بھی تھے اور سیاست بھی تھی، دعوت بھی تھی تو اور عمل بھی تھا، جہاں انسانیت کی خدمت بھی تھی اور حق کا دفاع بھی، صلح جہاد و نبرد آزمائی کے طریقے بھی تھے، اور صلح اطمینان بخش زندگی بھی، تاریخ انسانی نے اس ذات والا صفات سے جس دور کا آغاز کیا وہ اس اعتبار سے تاریخ کا بڑا عظیم الشان دور تھا کہ یہ انسان کی دینی، سماجی، فکری اور قائدانہ زندگی پر محیط تھا، اس رسول کی پاکیزہ شریعت حیات انسانی کے مختلف گوشوں پر سایہ فگن تھی، اس شریعت نے تمام انسانی طبقات، گروہوں اور عناصر کو ایک لڑی میں پرو دیا اور ان سب کو ایک جادہ کا مسافر بنا دیا، وہ جادہ فضیلت، حق اور خیر کا تھا۔

قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة۔ (یوسف ۱۰۸)

کہہ دو میرا رستہ تو یہ ہے میں خدا کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر

اس نے فقیر کے فقر و مسکنت کو عزت و رفعت میں بدلا، اس کے لئے زکوٰۃ کا نظام جاری کر کے مالداروں کی دولت میں فقراء کا حصہ متعین کر دیا، رسول کریمؐ نے فقر کو بھی ایک مقام بلند عطا کر دیا۔ فرمایا:

"رب أشعث أغبر مدفوع بالأبواب لو أقسم على الله لأبره"

بعض پراگندہ حال و معمولی حالت کے اور دروازوں سے دھکے دے کر ہٹا دیے جانے والے ایسے ہیں کہ اگر وہ خدا پر (یعنی خدا پر یقین رکھنے کی بنیاد پر) قسم کھا لیں تو خدا ان کی قسم کو لاج رکھے گا) اور فرمایا:

"فإنما تنصرون وترزقون بضعفائكم"

(تم اپنے کمزوروں ہی کی وجہ سے رزق پاتے ہو اور مدد کے مستحق سمجھے جاتے ہو)۔

اس نے اہل دولت و ثروت کے

غرور و سرکشی کو مٹایا، آپؐ نے فرمایا:

"انہ لیأتی الرجل السمین العظیم یوم القیامۃ لا یزن عند اللہ جناح بعوضۃ"

(ایسا بھی ہوگا کہ قیامت کے دن کوئی تنومند صحت مند بڑا معلوم ہونے والا آدمی آئے گا مگر خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا)۔

دولت مندوں پر یہ فرض کیا گیا کہ وہ فقراء کی مدد کریں، دولت کے بہتے ریل پیل میں سے کچھ نکال کر ضرورت مندوں کی حاجت روائی کریں، زکوٰۃ کی واجب شدہ مقدار تو نکالنا لازم ہے ہی، خود اپنی جانب سے نفلی صدقات بھی کریں ــ شریعت اسلامی نے اس عادلانہ نظام کے ذریعہ انسانوں کے دونوں طبقوں کے درمیان ایک گونہ معاشی اشتراک پیدا کر دیا۔

اس نے فرمانرواؤں کو حکم دیا کہ تواضع اختیار کریں، رعیت کی خدمت کریں، ان کی راحت و آرام اور حاجت روائی کے لئے اپنی نیند قربان کر دیں، آپؐ نے پابند عدل و انصاف فرمانروا کے متعلق فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ سے سایہ حاصل کرے گا جس دن اس کے سوا کسی اور کا سایہ نہ ہوگا۔

اس نے سیاسی حقوق میں مساوات کو حکومت و فرمانروائی کی بنیاد قرار دیا چنانچہ حاکم کو محکوم پر فضیلت صرف انتظامی دائرے کی حد میں تسلیم کی گئی، ذرا دیکھئے اس مساوات کا نمونہ، رسول مختار عربی جنھیں خدا نے تمام بنی نوع انسانی پر فضیلت بخشی ہے، اپنی وحی ان پر نازل فرمائی، اپنا عظیم پیغام انھیں عطا کیا، یہ ذات ذیشان خود اپنے بارے میں کیا فرماتی ہے، صحابہ کرام سے ارشاد ہوتا ہے،

"لا تقوموا کما یقوم الأعاجم یعظم بعضھم بعضا"

(میری آمد پر) تم لوگ مت کھڑے ہوا کرو جس طرح اہل عجم کھڑے ہوتے ہیں، اور بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں)۔

آپؐ کی عادت شریفہ بھی یہ تھی کہ جب آپ صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں تک مجمع پہونچا ہوتا وہیں پر بیٹھ جاتے دیر اور بات تھی کہ پھر مجمع اپنا رخ آپ کی طرف کر لیتا۔

میدان علم و معرفت کو لیجئے جو انسان کی مابہ الامتیاز صفت اور دیگر تمام مخلوقات پر وجہ فوقیت ہے، تو اسلام نے اس میدان کی اہمیت کو بھی خوب خوب سراہا ہے، اس سلسلہ میں قرآن و حدیث کے تاکیدی فرمان موجود ہیں، آسمان سے اترنے والی سب سے پہلی وحی میں علم اور اشاعت و حصول علم کے ذریعہ یعنی قلم کو سراہا گیا ہے،

"اقرأ وربک الأکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم"

(علق ۳-۴)

پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

رسولؐ کریم علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ لکھنا سیکھیں، جو حفاظت علم کا ذریعہ ہے، ان سب چیزوں نے اسلام میں علم کا جو مقام و مرتبہ عطا کیا، سابقہ کسی مذہب اور کسی امت میں یہ مرتبہ نہیں تھا، اسلام میں علماء و فضلاء نے علم پر جو توجہ دی وہ تو اپنی جگہ پر ہے، خود وحی آسمانی اور امر الٰہی نے اس کا اہتمام کیا، یہ سب امت مسلمہ کی وسطیت کے مظاہر ہیں، اس امت کے لئے یہ مقدر تھا کہ یہ سائنس و ٹکنالوجی کے دور کا سامنا کرے گی، ساتھ ہی اسے قیامت تک رہنا بھی تھا اور قیادت کا فریضہ بھی انجام دینا تھا، تاریخ کے ہر دور اور زندگی کے ہر میدان میں رہنمائی کرنی تھی، اور ان ادوار میں ایک دور علم و فکر کا بھی آنیوالا تھا، امت مسلمہ نے اپنے دور اقتدار میں عراق و فارس، اندلس و مصر، مراکش اور ہندوستان وغیرہ میں نمایاں کردار ادا کر کے تاریخ کا ایک روشن باب تیار کر ڈالا۔

سیاست کے میدان میں دیکھئے، اسلام نے جس نظام کو اختیار کیا وہ شاہی نظام اور جمہوری طریقہ کا دونوں کا جامع تھا اس نے دونوں نظاموں کی خوبیوں کو اختیار کیا اور دونوں کی برائیوں کو چھوڑ دیا، اسلام نے یہ جامع نظام ایسے زمانہ میں پیش کیا جس وقت لوگوں کے لئے ان دونوں نظاموں کے درمیان جمع و ہم آہنگی ممکن نہ تھی، اسلام کے اس جامع نظام کا فرماں روا قوم کا نمائندہ ہوتا ہے، قوم کے تمام افراد کے ساتھ مساوات برتتا ہے قوم کی دولت کے ساتھ نہایت محتاط رویہ رکھتا ہے، اگر محتاج رہا تو اپنے لئے اس میں صرف بقدر ضرورت لیتا ہے، ورنہ اس سے استغنا برتتا ہے خود حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام اپنی تمام امتیازات و خصوصیات اور کمالات کے باوصف مسلمانوں کے اموال میں غایت درجہ احتیاط اختیار فرماتے تھے، آپ نے اپنے اہل و عیال اور اہل خاندان پر زکاۃ و صدقات کو حرام قرار دیا، اپنی جائداد اور مال کو اپنی وفات کے بعد عام مسلمانوں کا حق قرار دیا اور اپنے وارثوں کو محروم کر کے انھیں بیت المال میں داخل کر دیا، اسلام میں کوئی فرماں روا سے کچھ طلب کرتا ہے یا اس پر اعتراض کرتا ہے تو حاکم اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کی طرف توجہ دے، یہ تو حاکم کی ذمہ داریاں تھیں، اسلام نے رعایا پر حاکم کے جو حقوق عائد کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ رعایا سختی کے ساتھ اپنے حاکم کی اطاعت گذاری کرے، اللہ تعالیٰ نے مومن فرماں روا کا تذکرہ اپنے اور اپنے رسولؐ کے ساتھ فرما کر اس کی قدر و منزلت کو دوبالا کر دیا۔ فرمایا:

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الأمر منکم۔

(نساء ۵۹)

خدا اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔

رعیت و فرماں روا اور حاکم و محکوم کے درمیان اسی تعاون و خیر خواہی کی فضاء میں اسلام کا سیاسی نظام رسول کریم علیہ السلام کی ہدایات کے تحت جاری تھا، یہ نظام اپنے اجراء میں کسی خلل انداز کی خلل اندازی اور کسی فساد پرور کی فساد پروری سے محفوظ تھا، کیونکہ یہ بغیر کسی تحریف کے کتابوں میں مدون و موجود تھا، اسلام کے اولین دور میں یہ نظام عملی شکل میں ظاہر ہو چکا تھا، بعد کے ادوار میں بھی ان کے مختلف حالات میں اس نظام کی شکلیں ظاہر ہوتی رہیں اور مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں اسلامی شریعت کی اتباع کے روشن نمونے حالات کی ابتری کے باوجود نمایاں ہوتے رہے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ:- درس حدیث

کہلائے گی، اور جس نے کھلے عام سمجھایا تو اس نے اس کو عار دلایا اور ملامت کی مومن کا شیوہ، چھپانا اور سمجھانا ہے، پردہ دری کرنا اور عار دلانا یہ فاجر کا شیوہ ہے، جب اخلاق و معاملات اس اخلاص نصیحت کے سانچے میں ڈھلیں گے جس کا حدیث پاک میں ذکر ہے تو لوگوں کے اخلاق و معاملات میں مادیت اور نفع اندوزی کا رجحان کمزور پڑ جائے گا اور جب اخلاق کی بنیاد و اساس نصیحت و اخلاص ہوگی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس سے ثواب کی امید پیش نظر ہوگی۔ اس کے عذاب سے خوف ہوگا۔ تب مسلمان زندگی اور معاشرہ کی عام اصلاح اور سدھار کے معاملہ میں صحیح معنوں میں ناصح اور خیر خواہ ہوگا۔

حدیث سے فقہی استنباط

مسلمان حکام کی بہی خواہی اور ان کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب ہے چاہے حاکم نے مسلمانوں سے اس کا عہد نہ لیا ہو، اہل علم اور با اقتدار حکام کی اطاعت واجب ہے اگر وہ خدا اور رسول کی اطاعت کا حکم کرتے ہوں تو حدیث صحیح میں حضورؐ کا ارشاد ہے مسلمان شخص پر ماننا اور اطاعت کرنا تنگ دستی و خوش حالی، پسند و ناپسند دونوں صورتوں میں ضروری ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے اگر اس کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر ماننا اور اطاعت کرنا جائز نہیں۔ آپ نے فرمایا: خدا کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت درست نہیں۔"

حدیث کے فوائد:

اللہ اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی اطاعت صرف خدا کے حقوق اور اس کی عبادت میں داخل ہیں کوئی اس کا شریک نہیں، یہ محض اللہ ہی کی رضا و خوشنودی کے لئے ہوگا۔

مسلمان پیشواؤں اور ان کے عوام کی بہی خواہی حکام کی بہی خواہی اور جماعت سے جڑے رہنے کی شکل میں پائی جاتی ہے مسلمانوں کا جماعت سے جڑے رہنا یہی عوام کی نصیحت و بہی خواہی ہے۔

۲۔ رہی ہر مسلمان کے لئے ہمدردی و نصیحت تو بعض صورتوں میں ممکن ہوگی اور بعض حالات میں ناممکن ہوگی۔ ایسی صورت میں کوئی شخص قابل ملامت نہ ہوگا۔

۳۔ دین بہی خواہی کا نام ہے جب اس لفظ کا سب سے نمایاں اور اہم مفہوم اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت اس کے رسول اور مومن حکام کی اطاعت ہے تو ہم مسلمانوں کے لئے کتنا ضروری ہے کہ اجتماعیت اور باہم میل ملاپ کو اپنا شعار بنائیں اور اختلاف اور پھوٹ سے باز آجائیں اور اپنے بزرگوں کے لئے دعا و استغفار کریں۔

لکھنؤ کے معروف عطریات
شمامۃ العنبر، زعفرانی حنا
مجموعہ وغیرہ

طلب فرمائیں
کارخانہ محمد سلیمان محمد یوسف
یوسف بلڈنگ ... لکھنؤ

بچوں کی دینی تعلیم، وقت کا سب سے بڑا مسئلہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سب سے بڑا مسئلہ

سب سے اہم بات جو ہم آپ سے کہنا چاہتے ہیں کہ اپنے بچوں کی تعلیم کی فکر کیجئے، کم سے کم ان کا عقیدہ درست کرائیے، کہ اللہ کے سوا دنیا کا چلانے والا، اس کارخانۂ عالم کا چلانے والا کسی کو نہ سمجھیں، اور کسی کا اس میں عمل دخل نہ سمجھیں اور یہ زمانہ ہے ہندو دیومالا کا کہ وہ کورس کے نصاب کے ذریعہ سے بھی پھیلایا جا رہا ہے، ابلاغ عامہ کے ذریعہ ٹیلی ویژن، ریڈیو کے ذریعہ سے بھی اور اخبارات، لٹریچر کے ذریعہ سے بھی اور مجلسوں کے ذریعہ سے بھی اور بعض ایسی جماعتیں اکثریت کی ہیں، جو پورے ملک کے پیمانہ پر کام کر رہی ہیں، ان کے ذریعہ سے بھی یہ بڑی ضرورت ہے اپنی آئندہ نسل کے عقائد بچانے کی کوشش کی جائے میں بہت کہا کرتا ہوں لیکن اچھی بات دس بار کہی جائے پچاس بار کہی جائے کوئی شرم کی بات نہیں۔ لکھنؤ کے ایک بڑے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ہم نے کہا تھا کہ سوچنے کی بات ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کون تھے حضرت یعقوب علیہ السلام پیغمبر تھے، ان کے باپ پیغمبر تھے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے باپ پیغمبر تھے یعنی حضرت ابراہیمؑ، بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام، پیغمبر زادہ تھے، ان کے جتنے پوتے نواسے تھے سب پیغمبر زادے تھے، یہاں تو پیرزادوں کا خیال کیا جاتا ہے۔ علماء کی اولاد کا خیال کیا جاتا ہے، کہ ان کا کیا پوچھنا........

اب خیال کیجئے اتنے بڑے پیغمبر کے بیٹے، کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا، اس وقت آدمی بھول جاتا ہے اور یاد بھی رکھتا ہے تو دوسری باتیں کہ فلاں جگہ اتنا پیسہ رکھا ہے، اتنا قرض ہے لے لینا، اتنی جائداد ہے۔ کچھ کہنے کا موقع ہوتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے۔

یہ پیغمبر تھے اور وہ پیغمبر کی اولاد تھے انھوں نے کہا، اور قرآن کریم نے ایسے بیان کیا" ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت، اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی، قالوا نعبد الٰھک والٰہ آبائک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰھا واحدا ونحن لہ مسلمون"

اے قرآن کے پڑھنے والو! سننے والو! کیا تم کو خیال ہے تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا اور انھوں نے اپنے سب لڑکوں، پوتوں نواسوں کو جمع کیا اور ایسے موقع پر سب جمع ہو جاتے ہیں ان سے کہا، اور بولنے کی طاقت نہیں، وہ تو پیغمبر تھے اللہ اللہ کرتے رہتے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے بھی زیادہ اہم سمجھا، انھوں نے کہا، میرے بیٹو! پوتو! نواسو! "ما تعبدون من بعدی" ایک بات تم مجھے یہ بتا دو کہ میرے بعد تم کس کو پوجو گے، کس کی عبادت کرو گے، قرآن کریم اتنا بھی انتظار میں رکھنا نہیں چاہتا، فوراً جواب دیتا ہے، ورنہ بیچ میں ضرور یہ ہوگا۔

اباجان! داداجان! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے، اتنے دن تک آپ ہمیں بتلاتے کیا رہے، اور ہم کس گھر کے ہیں، کس چمن کے پھول ہیں، اور ہم کس باغ کے پھل ہیں اور ہم کن کی اولاد ہیں، ہمارے متعلق آپ کو شبہ ہے، لیکن نہیں۔

قالوا نعبد الٰھک والٰہ آبائک

ہم اسی کی عبادت کریں گے جس کی آپ عبادت کرتے آئے ہیں آپ کے والد ہمارے دادا اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے اپنے دادا کے بھائی اسمٰعیل علیہ السلام کے معبود کی عبادت کریں گے اور پھر ہمارے پردادا حضرت ابراہیم ان کے معبود کی عبادت کریں گے۔

نعبد الٰھک والٰہ آبائک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰھا واحدا ونحن لہ مسلمون۔

گویا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا! قبر میں ہماری پیٹھ نہیں لگے گی اور ہم چین و سکون کی سانس نہیں لیں گے اس وقت تک جب تک اس کا اطمینان نہ کر لیں کہ تم لوگ کس کی عبادت کرو گے تم کس راستہ پر چلو گے، جب ان لوگوں نے یہ کہہ دیا تو انھیں اطمینان ہوا۔

ہم کو اور آپ کو سب کو چاہیئے کتنے آپ نمازی ہوں، کتنے متقی ہوں، تبلیغ و دعوت میں نکلنے والے ہوں، چلے لگانے والے ہوں، میں صاف کہتا ہوں سب کو یہ اطمینان حاصل کر لینا چاہیئے چاہے وہ ولی ہو جائے اور لوگ شہادت دیں غیب سے آواز آئے کہ "تم ولی ہو" "تم ولی ہو" کیا ولی بڑھ جائے گا، پیغمبر سے، کوئی ولی بڑھ سکتا ہے حضرت یعقوب علیہ السلام سے وہ سید الاولیاء تھے، وہ نبی برحق تھے، خدا کے، تو جب ان کو یہ اطمینان حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں، ہم کو اس سے زیادہ اطمینان کر لینا چاہیئے، ان کا زمانہ فتنہ کا زمانہ نہیں تھا، میں صاف کہتا ہوں، کہ اس زمانہ میں جو برائیاں تھیں خرابیاں تھیں وہ اس طرح منتقل نہیں کی جا سکتی تھیں جس طرح آج کے دور میں کی جا رہی ہیں۔ آج غذا میں وہ چیزیں ملا دی گئی ہیں آج پانی میں وہ چیزیں سرایت کر گئی ہیں، آج ہوا میں وہ چیزیں مل گئی ہیں۔ آج وہ مدرسہ کی تعلیم میں، اور آج جو تقریر کرتا ہے اس میں بھی وہ عقائد آگئے ہیں، ہم اس زمانہ میں رہ رہے ہیں، جہاں ہندو دیومالا کرشن جی کا یہ قبضہ تھا وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے، وہ جہاں اترے سونا ہی سونا بن گیا، رام جی کے قبضہ میں کارخانہ قدرت تھا، اس دنیا کے پیدا کرنے والے اور اس درجہ کی کم کی جو چیزیں ہیں وہ بھی ہمارے لئے بہت خطرناک ہیں آخری بات آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اپنی اولاد کے متعلق اطمینان حاصل کر لیجئے ان کو دینی تعلیم دیجئے، اسلامی مکتب میں بھیجئے مسجدوں میں مکتب قائم کیجئے، تعلیم کا انتظام کیجئے، اسکول میں پڑھتے ہوں تو کوئی وقت رکھئے، ٹیوشن رکھئے، استاد کو بلائیے، معاوضہ دیجئے کہ ہمارے لڑکے کو اس قابل بنا دیں کہ کچھ اسلامی معلومات حاصل ہو جائیں اور موٹی موٹی باتیں دینیات کے متعلق معلوم ہو تعلیم الاسلام پڑھا دیجئے۔ ایسی چھوٹی کتابیں جو لکھی گئی ہیں پڑھا دیجئے، گھر کی عورتوں کو بھی تاکید کیجئے کہ اچھے اچھے قصے سنائیں اور دین کے متعلق بتائیں اگر ایسا نہ ہوا ہندوستان میں تو اس کا اندیشہ ہے کہ ۴۰-۵۰ برس بلکہ ۲۰-۲۵ برس بعد نسل کا بڑا حصہ دین سے بالکل ناواقف اور اندیشہ یہ ہے کہ دین کا مذاق اڑانے والا دین کی تحقیر کرنے والا نہ بن جائے۔

جگہ جگہ مکتب، مدرسے قائم کیجئے جہاں قائم ہیں وہاں مدد کیجئے کہ ٹوٹنے نہ پائیں، ختم نہ ہونے پائیں، اپنے گھروں میں بھی انتظام کیجئے۔

اس ملک میں آپ کیسے رہیں

اور آخری بات یہ ہے کہ اپنے اخلاق ایسے بنائیے کہ آپ کے پڑوسی غیر مسلم متاثر ہوں اور اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو ان کے اندر، یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ راستے سے چلے جا رہے تھے، اینٹ پڑی تھی ہٹا دی، نل کھلا تھا بند کر دیا پچاسوں آدمی گذر گئے۔ کسی کو خیال نہیں اسی ملک میں رہتے ہیں۔ مسافر اترے ہیں، چڑھ رہے ہیں کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ نل بند کر دیا۔ کسی نے پوچھا اس کا جواب یہی کہ اللہ کی نعمت ہے، ہم اس ملک میں رہتے ہیں، ہمارا فرض ہے اسی طریقے سے راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز ہو ہٹا دیں، نگاہیں نیچی ہوں کبھی غیر محرم کو نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں اور آپ گالی نہ دیں، حد سے بڑھ کر غصے سے [illegible] نہ آئیے۔ اسی طرح سے آپ محلہ میں رہتے ہوں اہل محلہ کو اطمینان ہو کہ ہمارے مسلمان بھائی یہاں رہتے ہیں، یہاں بہو بیٹیوں کی عزت محفوظ ہے، یہاں چوری کا بھی خطرہ نہیں۔ اذان ہے، کسی نے کہا رکنے کو تو ہندو کہنے لگے: ارے لے نہ رو کو اس کی وجہ سے یہاں بہت سی بیماریاں اور وبائیں نہیں آپاتیں۔ یہاں بڑی برکت ہوئی ہے۔ برکت کا لفظ تو ہندوؤں کے یہاں ہے نہیں کوئی ایسا لفظ کہا، خیریت ہے، یہاں ان کی وجہ سے۔ آپ اس طرح اپنے دین کو، اپنی عبادتوں کو، ایسا بنائیے کہ ان کے دل میں اسلام کی وقعت پیدا ہو، اور قدر آئے اور اگر کوئی آپ کو ستائے تو وہ آپ کی طرف سے جواب دہ ہوں، اور آپ کو بچائیں، کہ نہیں، نہیں۔

انھیں ہمارے ملک میں رہنا چاہیئے ہمارے ملک میں ان کی وجہ سے معلوم نہیں کتنی آفتیں و وبائیں ٹل گئی ہیں، اور ان کا وجہ سے دنیا کے بنانے والے کی کیسی نظر ہے۔

اس زمانہ میں ضروری ہے کہ آپ ایسے اخلاق رکھیں آپ کا اور جو مسلمان نہیں ہیں انکا فرق معلوم ہو جائے۔ لعلکم تتقون۔ جائز و ناجائز کے لحاظ کرنے کی عادت ہو جائے، یہ حلال ہے یہ حرام یہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے، یہ مزاج ہو جائے، طبیعت بن جائے

دوسری چیز کہ جو کبائر ہوئے ان سے توبہ کیجئے اللہ سے معافی مانگئے، اور دنیا سے جانے سے پہلے پہلے یہ کام کر لیجئے، تیسرے یہ کہ حقوق العباد جو آپ کے ذمہ ہیں ان کی معافی تلافی کر لیجئے چوتھے یہ کہ بچوں کی اولاد کی تعلیم و تربیت کی فکر اور انتظام کیجئے۔

پانچویں چیز یہ کہ اخلاق ایسے بنائیے کہ غیر مسلموں میں بھی اسلام کی قدر و وقعت پیدا ہو بلکہ اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو، کہ اپنا لٹریچر لائیے دکھلائیے آپ کا مذہب دین، کیا کہتا ہے، ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اسلام نے آپ کو کیا بنا دیا۔

ایک قصہ چھوٹا سا آپ کو سُنا دیتا ہوں جو اس جگہ سے مناسبت رکھتا ہے اور یہیں کا فیض ہے، یہیں وہ تربیت ہوئی تھی کہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے جب پشاور فتح کیا قبضہ ہو گیا، تو وہاں رہنے والے پٹھان نے مجاہدین میں کسی کا ہاتھ پکڑا، اکثر یہیں کے رہنے والے تھے رائے بریلی، سلطان پور کے اطراف کے اناؤ، کان پور، اور پھر سہارن پور مظفر نگر کے اطراف کے بہت لوگ تھے کہ ایک ہندوستانی کا ہاتھ پکڑا کہا، کیا ہندوستانیوں کی آنکھ کمزور ہوتی ہے دور کی چیز نظر نہیں آتی، پیدائشی طور پر آنکھ کمزور ہوتی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، ہمیں سب نظر آتا ہے کچھ کمزور نہیں کہنے لگے نہیں کچھ بات ہے ضرور، انھوں نے کہا نہیں کچھ بات نہیں، ہماری آنکھ بالکل ٹھیک، مگر انھوں نے کہا: آپ یہ پوچھ کیوں رہے ہیں، انھوں نے کہا،

ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ لوگ جبکہ بعض دو سال سے نکلے ہوئے ہیں کوئی ایک سال سے کوئی مہینوں سے نکلے ہوئے ہیں اپنے اپنے گھر چھوڑ کر ہندوستان چھوڑ کر آئے ہیں، بعض بالکل جوان ہیں ان کے اندر تو جذبہ ہوگا، لیکن ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے کسی غیر محرم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہو، ہم نے کہا ہم نے دیکھا کوئی نہیں، کوئی بھی نظر غیر محرم کی طرف اٹھتا تا ہی نہیں فطری تقاضہ ہے، آگے کچھ نہ ہو دیکھ تو لیتے انھوں نے کہا، یہ بات نہیں نظر ہماری بالکل ٹھیک یہ تربیت ہمارے امیر المومنین کی ہے، اور پھر یہ کہ اللہ کا حکم ہے۔

"قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم"

اہلِ ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

یہ ہونا چاہئے اور یہی ہے:

یَا ایھا الذینَ آمنوا اِن تتقوا اللہ یجعلَ لکُم فُرقَاناً۔"

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا پاس و لحاظ کروگے تو اللہ تعالیٰ تم کو شانِ امتیازی عطا فرمائے گا۔

تم کہیں جاؤگے پہچانے جاؤگے، یہ مسلمان ہے، اس کی نگاہیں نیچی ہیں۔ کسی غیر محرم کو دیکھتا نہیں، اور اس طرح بچ کر، سنبھل کر چل رہا ہے، گویا کہ خدا کو یاد کر رہا ہے، اگر یہ ہماری حالت ہوتی اور سیرت ہوتی تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔

سیاسی کوششیں، ٹکراؤ، جذباتی اشتعال انگیز تقریریں، جذباتیت اپنے دل کی بھڑاس نکالنا، زوردار تقریریں کرنا کہ نام ہو، ہمارے سر سہرا بندھے اور ہمارا سر اونچا ہو، یہ طریقہ نہیں تھا، طریقہ یہ تھا کہ ہم ایسی زندگی اختیار کرتے، یہ نہیں ہو سکا اب جو موقع ہے، اس میں یہ طریقہ اختیار کریں۔

اَللّٰھُمَّ وفقنا مِمّا تحبُ وترضیٰ ٥

بقیہ:- خواتین کی دینی فطرت

معصرہ اور حلوان وغیرہ کی پندرہ مسجدوں میں درس دے رہی ہیں جسمیں تقریباً ایک ہزار مسلمان لڑکیاں اور عورتیں شریک ہوتی ہیں' کامیلیا کہتی ہیں ٹیلی ویژن کے محکمہ کے خلاف میں نے مقدمہ دائر کر رکھا تھا' ابھی میں دنیاوی عدالت کے فیصلہ کا انتظار کر رہی تھی کہ احکم الحاکمین کا فیصلہ صادر ہو گیا اور میں ایک دار الیتامیٰ کی ڈائرکٹر (Director) بن گئی' ان یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت اور دیکھ ریکھ اب میرا محبوب مشغلہ بن گیا ہے'۔

اناؤنسر خاتون میں صرف کامیلیا ہی ... اسلامی ... اختیار کرنے کی وجہ سے ٹیلی ویژن سے برطرف کیا گیا ہے' بلکہ ان جیسی اور بھی خواتین ہیں جنھیں انھیں حالات کا سامنا کرنا پڑا' مثلاً چینل نمبر تین کی اناؤنسر خاتون مہا سمیر نے جب پردہ اختیار کیا تو انھیں بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے دو چار ہونا پڑا' مہا سمیر اپنے فرائض اور ذمہ داریاں بڑی مستعدی سے انجام دیا کرتی تھیں' وہ اپنے سابقہ لباس (بلکہ عریانیت) پر نادم تھیں' لیکن چونکہ پردہ کے ساتھ ٹیلی ویژن پر آنے کی اجازت نہ تھی' اس لئے کچھ دنوں تک اپنے اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکی لیکن چند ہی دنوں میں انھوں نے اسے عملی جامہ پہنا دیا' جسکی وجہ سے ذمہ داروں نے انھیں بھی ٹیلی ویژن پر آنے سے روک دیا اور کہا کہ اسلامی لباس پہننے کا یہ فرسودہ نظریہ بالکل درست نہیں۔

چینل نمبر ۲ کی اناؤنسر خاتون سحر جبریل بھی انھیں خواتین میں سے ایک ہیں جنھوں نے پردہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو اچھی طرح سمجھ لیا: "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ" کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ'۔ ٹیلی ویژن وغیرہ کے سلسلہ میں انھوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا عورتوں کو اس کام کی بالکل ضرورت نہیں بلکہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ گھر کے نظم و نسق کو سنبھالیں' اور بچوں کو صحیح تعلیم و تربیت دیں۔

ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور شاعرہ علیہ جعار نے کہا کہ مادی چمک دمک اور آدمی نما بھیڑیوں و درندوں کے دامن فریب میں اگر ممکن ہے کہ مسلمان عورت چند دنوں کے لئے راہ راست سے ہٹ جائے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمیشہ ضلالت و گمراہی کی تاریک وادیوں میں بھٹکتی رہے عورتوں کے مزاج فطرت کے مطابق اسلام نے ان کے لئے جو دائرۂ عمل مقرر کیا ہے اس سے بہتر اور مناسب کوئی دوسرا دائرۂ عمل ہو ہی نہیں سکتا ان اداکار خواتین کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اسلامی لباس میں بھی یہ آج دعوت اسلامی اور تعلیم و تربیت کے میدان میں بہترین خدمات انجام دے رہی ہیں' چنانچہ شمس البارودی مسجد حامدی میں خواتین کو درس دیتی ہیں جبکہ کامیلیا العربی معادی وغیرہ کی دسیوں مسجدوں میں درس دے رہی ہیں' اداکارہ شادیہ نے مسجد کی تعمیر کے لئے اپنے ایک فلیٹ کی زمین وقف کر دی ہے اور ہالہ الصافی نے اپنی ذاتی زمین میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا ہے جسمیں فی الحال ابتدائی و متوسط تعلیم بندوبست ہے'

ان تبدیلیوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی بیداری کی لہر عام ہونے لگی ہے اور کیوں نہ ہو؟ یہ اسلام کا وہی قانون ہے جسکے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا" اگر اس فطرت کے خلاف کوئی کسی اور نظریہ کا حامل ہو اور اس کے ذریعہ نوع انسانی کی ہدایت' فلاح و بہبود چاہتا ہو تو یہ سعی لاحاصل ہے آج یورپ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں' جرائم کم تو کیا بڑھتے جا رہے ہیں' وجہ یہ ہے انکا یہ "نظریہ مساوات" جس کا وہ اعلان کرتے پھرتے ہیں محض غیر فطری چیزوں' بے حیائی' عریانیت اور نفس پرستی پر مبنی ہے' انکے اس ہمدوشی کے نعرہ کی مضرتیں آج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے' "فاعتبروا یا اولی الابصار" خدا ہر ایک مسلمان کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

غزل

اشرف فردوسی

لمحات میرے تلخ حقائق سے بھرے ہیں	برسات میں جلتے ہوئے گھر مجھ کو ملے ہیں
دُنیا نے میرے خون کو سیندور سمجھ کر	قشقہ کی طرح اپنی جبینوں پہ مَلے ہیں
قاتل کہیں باہر سے نہیں آئے چمن میں	شاہیں مجھے اپنے نشیمن میں ملے ہیں
اے اہلِ وفا تم سے کوئی ڈر نہیں لیکن	رہزن بھی ہمیں خضر کی صورت میں ملے ہیں
واقف وہ نہیں ہے تو زمانے کو بتا دو	ہم حق کے لئے دار پہ سو بار چڑھے ہیں
تاریخ کے اوراق یہ دیتے ہیں گواہی	اصنام بھی دہشت سے مری اوندھے گرے ہیں
اے ابرہہ اب سوچ کے ہی جانا حرم کو	سجیل کے ہمراہ ابابیل اڑے ہیں

فردوسی نہ کیوں خوش رہے فردوس میں اپنی
گلشن کے تیرے پھول تو مرجھائے ہوئے ہیں

شبلی کی شاعری کے اصلاحی پہلو

یہ مضمون بھوپال میں رابطہ ادب اسلامی کے ساتویں سالانہ علمی مذاکرہ کے لئے لکھا گیا تھا۔ افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین ہے۔

مسعود الرحمٰن خاں ندوی
مرکز مطالعات الشبلیہ عربی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

علامہ شبلی نعمانی روایتی انداز کے داعیوں اور مصلحوں میں نہیں شمار ہوتے، وہ علم و فضل اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ ملک و قوم کی اصلاح کے قائل بھی تھے اور شاید اسی ذریعہ کے قائل بھی، انھوں نے ندوۃ العلماء کی تحریک کے ذریعہ علمائے دین اور طلبہ دارالمذہب کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تو علی گڑھ کالج میں اپنے خطبات و مقالات کے ذریعہ جدید اذہان اور عصری تعلیم کے متوالوں کو دین و ایمان کی دعوت دی، وہ اصلاً محقق و مصنف اور نثر نگار تھے اور انھیں کو اپنی دعوت و اصلاح کا ذریعہ بناتے تھے، شعر تو وہ اپنے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے اور جذبات خفتہ کے ابلتے ہیجان کو راہ دکھلانے کے لئے کہتے تھے لیکن ان کے گرد و پیش کے حالات و واقعات، ملک و قوم کے احوال و کوائف اور سیاست و سماج کی ناہمواریاں اور بوالعجبیاں کبھی کبھی ان کے جذبات و خیالات کو شعری لَے میں ابھار دیتی تھیں، وہ حساس قلب اور نازک دماغ کے مالک تھے اور اپنی قوم و ملک سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اس لئے ان کو ان کی کامیابیاں اور رعنائیاں جہاں فرطِ مسرت سے وجد میں لاتی تھیں وہاں ان کی نامرادیاں اور پستیاں ان کی حساسیت کو مہمیز کر کے ان کے دل کے پھپھولوں کو شعری شراروں میں ڈھال دیتی تھیں، وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ کبھی کبھی شعر و سخن کی کاٹ اتنی گہری اور اتنی کارگر ہوتی ہے کہ وہ ہزارہا نثری سخن سازیوں پر بھاری ہوتا ہے اسی لئے انھوں نے اپنی شاعری کو اپنے ملک و قوم کی اصلاح کے لئے بخوبی استعمال کیا، اس مختصر مقالہ میں مولانا شبلی کی شاعری کے انھیں اصلاحی اخلاقی اور دعوتی پہلوؤں کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

مولانا شبلی کی شاعری کو بنیادی طور سے دو حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری خواہ فارسی میں ہو یا اردو میں ان کے جذبات خفتہ اور احساسات خفیہ کی آئینہ دار ہے مگر ان کی نظمیں، مثنویاں، مسدس اور کسی حد تک ان کے قصائد ان کی اصلاحی و دعوتی شاعری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کی اس شاعری کو ہم تین واضح موضوعات کے تحت مطالعہ کر سکتے ہیں: اول مذہبی نظمیں۔ دوم اخلاقی نظمیں اور سوم سیاسی نظمیں، مذہبی نظموں میں سے اکثر کا تعلق تاریخ اسلام کے مختلف ادوار سے ہے خاص کر ابتدائی عہد اسلامی سے اور پھر کسی حد تک ہندوستان کی مغل تاریخ سے جس کو وہ اگرچہ صحیح اسلامی زندگی کا آئینہ دار نہیں سمجھتے تھے تاہم وہ ان مسلم حکمرانوں کی تاریخ ضرور تھی جو اپنی تمام اخلاقی و مذہبی خرابیوں اور عملی اثر پذیریوں کے باوجود کہیں نہ کہیں اسلامی رمق رکھتے تھے اور وہی ان کے نزدیک حاصل زیست و زندگانی تھی۔ بظاہر ان مذہبی نظموں میں صرف ماضی پرستی اور "پدرم سلطان بود" والی مفاخر پرستی نظر آتی ہے۔ لیکن اگر ان کو مولانا شبلی کے وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا موصوف ان مذہبی اور تاریخی نظموں کے ذریعہ وہی کام لینا چاہتے تھے جو وہ اپنے مشہور نثری سلسلہ "ہیروز آف اسلام" کے ذریعہ چاہتے تھے، یعنی ایک طرف تو مسلم جدید و قدیم اذہان کو احساسِ کمتری اور دونِ ہمتی کے تارِ عنکبوت سے باہر نکالنا جو انگریزوں کی سرپرستی میں مستشرقین اور ان کے ہم نوا ہندی مؤرخین اپنی تاریخ نویسی کے ذریعہ مسلم قوم کے گرد بن رہے تھے اور جس کا احساس سرسید و شبلی و حالی سے لے کر جدید دور کے تمام حساس شاعروں کو تھا دوسری طرف وہ ان مذہبی نظموں کے ذریعہ مسلم قوم کے سامنے خاص کر اور پوری ہندوستانی قوم کے آگے عام طور سے وہ بلند نصب العین اور آدرش رکھنا چاہتے تھے جو کسی بھی قوم کی اخلاقی و مادی زندگی کا مقیاس الحرارۃ ہوتا ہے۔ ان کے پیچھے ان کی اصلاحی و دعوتی فکر چھپی تھی، اور وہ ... ذریعہ ان کی اصلاح کرنا چاہتے تھے مثالوں سے یہ بات زیادہ مدلل ہوگی۔

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عنوان والی نظم میں انھوں نے قوم کو اس اہم ترین اسلامی واقعہ پر افتخار کے جذبات پیدا کرنے کے علاوہ مہاجرین و انصار کے حوالے سے اس اسلامی معاشرہ کا نقشہ کھینچا ہے جو اسلام کا مقصود ہے

یاں مدینہ میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے ارباب نظر
سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
میہمان ہوتے ہیں کس اوج نشین کے سرور
سیف کہتے تھے کہ خلوت گہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ وہ اور بھی تیار ہیں گھر
ہاں مبارک ہو کہ اے خاک حریم نبوی
آج سے تو بھی ہوئی خاک حرم کی ہمسر

جو پیغام اسلامی اس نظم مقدس میں نہاں دھیمے لہجہ میں مستور ہے وہ تعمیر مسجد نبوی والی نظم میں شعلہ نوا بن گیا ہے، مولانا نے اس نظم میں اللہ کے گھر کی تعمیر کے حوالے سے یتیموں کے حقوق، اسلامی حکومت کے فرائض اور اسلامی معاشرتی مساوات کا درس دیا ہے: ؎

ایتام نے حضور میں آکر یہ عرض کی
یہ چیز ایسی ہے کہ جو سیاہتمام تھا
یہ ہدیۂ حق پذیر اں کریں حضور
اللہ اس زمیں کا یہ احترام تھا
لیکن حضور نے نہ گوارا کیا اسے
منت کشی سے آپ کو پرہیز عام تھا
احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا
بالکل خلافِ طبعِ رسولِ انام تھا

انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر
مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک اور نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک
جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت
سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال
یہ خود وجودِ پاکِ رسولِ انام تھا

فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت ہندؓ نے اسلام لانے سے قبل جو گستاخی شانِ رسول اکرمؐ میں کی تھی اس کو نظم کا جامہ پہنا کر مولانا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و عفو کو اجاگر کیا ہے ساتھ ہی مسلمانوں کو اسوۂ نبوی پر چلنے کا مشورہ بھی دیا ہے۔ ؎

اس کی اولاد نے خود جنگ میں کی تھی سبقت
لڑکے مارا کوئی جائے تو یہ کس کا ہے قصور
لیکن آزادیِ افکار تھی اس کو پسند
آپ نے لطف و کرم سے اسے رکھا معذور

اسلام کی معاشرتی زندگی کا حال مولانا نے اہل بیت رسول اللہ کی زندگی والی نظم میں بیان کیا ہے جو بہت ہی مؤثر ہے۔ ؎

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن
جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس کا خاص مجھے اہتمام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا
یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا۔

مولانا کا یہی پیغام اصلاح و دعوت ان کی اخلاقی نظموں میں بھی مستور نظر آتا ہے خواہ "ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر" کے نام سے جنگ کے اسلامی ایثار کا واقعہ بیان ہوا ہو یا مساوات اسلام والی نظم میں قریشی اور اسلامی سماج کے تقابل کا معاملہ۔ حضرت عمر فاروقؓ تو حضرت اسلام کے بلکہ مولانا شبلی کے ہیرو تھے ان کے عہد خلافت کے حوالے سے مولانا نے تین نظمیں کہیں۔ خلافتِ فاروقی کا ایک واقعہ والی نظم میں انھوں نے حاکم و رعایا کے درمیان اسلامی مساوات کا، عدل فاروقی میں اسلامی انصاف کا اور اظہار و قبول حق والی نظم میں معاشرتی مساوات کا کتنا خوبصورت اظہار کیا ہے۔ یہی پیغام ان کی دوسری نظموں، جرأت و صداقت، نظام حکومتِ اسلام، ہمارا طرزِ حکومت، عدل جہانگیری، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا انصاف وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

ان کی نظم "اسلام کے تنزل کا اصلی سبب" ان کے پیغام اصلاح و دعوت کو زیادہ واضح انداز میں پیش کرتی ہے۔ اس کے چند اشعار پیش ہیں: ؎

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امرِ صریح
کہ زمانہ میں کہیں حشمتِ اسلام نہیں
آپ جائیں گے جہاں قوم کو پائیں گے ذلیل
اس میں تخصیص عراق و عرب و شام نہیں

پس اگر غور سے دیکھو تو بجز مذہب و دیں
ہم مسلمانوں میں کوئی صفتِ عام نہیں
ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
سبب پستیِ اسلام بجز اسلام نہیں

مولانا نے اس کے بعد اس کا جواب یہ دیا ہے:

بحث ما فیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ
جس کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں
آپ کھانے کو بناتے ہیں پہلے مسموم
پھر یہ کہتے ہیں غذا موجب اسقام نہیں
اعتقادات کے لئے سب سے مقدم توحید
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں
آستانوں کی زیارت کے لئے شد رحال
اس میں کیا شان پرستاری اصنام نہیں
اب عمل پر جو نظر کیجئے آئے گا نظر
کہ کسی ملک میں پابندیٔ احکام نہیں
ہاں یہ حالت ہے کہ بھائی کا ہے بھائی [illegible]
کون سا گھر ہے جہاں یہ روش عام نہیں
رہ گئیں صدق و دیانت نہ پابندیٔ عہد
دل ہیں ناصاف زبانوں میں جو دشنام نہیں
ان حقائق کی بنا پر سبب پستیٔ قوم
ترکِ پابندیٔ اسلام ہے اسلام نہیں

انھیں اخلاقی نظموں میں مولانا کی وہ شاہکار نظم بھی شامل ہے جس کا عنوان "شغل تکفیر" ہے۔ کیا آج بھی ہمارے بیشتر علماء کرام کا یہ حال نہیں کہ وہ مسلمانوں میں ہر طبقہ کو کافر بنانے کے ہی کام کو اپنا اصلی کام سمجھتے ہیں:

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ
کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں
وہ اسلام میں لندن میں ہزاروں
ہر چند ابھی مائل اظہار نہیں ہیں
تقلید کے پھندوں سے ہوئے جاتے ہیں آزاد
وہ لوگ بھی جو داخل احرار نہیں ہیں
افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا
یا ہیں تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں
کیا آپ کے ہمسر میں کسی کو نہیں یہ درد
کیا آپ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں
جھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوءِ ادب ہے
کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بے کار نہیں ہیں

مولانا شبلی نے اپنے طبقہ علماء کی اصلاح کرنی چاہی تو انھوں نے جدید تعلیم یافتہ لوگوں خاص کر مغرب زدہ حضرات کی اصلاح بھی کرنی چاہی تھی چنانچہ اپنی نظم "مذہب یا سیاست" میں وہ یہی پیغام دیتے نظر آتے ہیں وہ پہلے اسلام کے زندگی آموز پیغام اور اس کے انقلابی کردار کا ذکر کر کے علوم مغربی سے مسلمانوں کے جدید طبقہ کی مرعوبیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ۔

اب رہا جذبۂ دینی تو وہ اس طرح مٹا
کہ نہیں آپ کو کچھ [illegible] سے عار
وضع میں طرز میں اخلاق میں تہذیب میں کہیں
نظر آتے نہیں کچھ حرمتِ دیں کے آثار
آپ نے ہم کو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم
ان سے ضرورت ہے نہیں قوم کو ہرگز انکار
بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی ممکن تھا
کہ نہ گھٹتا کبھی ناموسِ شریعت کا وقار
آج ہر بات میں ہے شان تفرنج پیدا
آج ہر رنگ میں یورپ کے نمایاں ہیں شعار
ہیں شریعت کے مسائل بھی یہیں تک محدود
کہ جہاں تک انھیں معقول بتائیں اغیار

مولانا شبلی کی سیاسی نظموں کو دو الگ الگ حصوں میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ ہیں جو ترک جدوجہد کے پس منظر میں کہی گئی ہیں اور ان نظموں میں ترکی مردانِ حریت کو اسلامی جہاد کے علمبرداروں کے روپ میں پیش کر کے ہندوستان مردہ دلوں میں حرارت ایمانی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہاں "شہر آشوبِ اسلام" کے چند شعر سنیئے: ۔

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک
زوالِ دولتِ عثمانؑ زوالِ شرع و ملت ہے
عزیزو فکرِ فرزند و عیال و خانماں کب تک
خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں!
نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

سر آغا خاں کا خطاب ترکوں سے، خیر مقدم، ڈاکٹر انصاری، ترکوں سے خطاب اور [illegible] کی رباعی وغیرہ نظموں میں وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھتے ہیں اور اگر کوئی وفادار اغیار ان کا اسلام کے خلاف مشورہ دیتا ہے۔ تیغ بُراں بن جاتے ہیں۔ سر آغا خاں سے خطاب کرتے یہی ارشاد فرماتے ہیں اور اپنی آخری نظم میں برطانیہ کی مسلم دوستی اور اسلام پسندی کا پول کھولتے ہیں۔

مولانا شبلی کی سیاسی نظموں میں دعوت و اصلاح کا پیغام کبھی طنز و مزاح کے اندر اور کبھی سنجیدہ مشورہ کی صورت میں کبھی براہ راست اور کبھی بالواسطہ سب سے زیادہ واضح طور سے ان نظموں میں نظر آتا ہے جو انھوں نے مسلم لیگ کے حوالے سے کہیں۔ مولانا مسلم لیگ کی سیاست سے خاص کر اس کی بے عملی، برطانیہ پرستی اور مسلم دشمنی کے ایکا دو پالیسیوں سے سخت بیزار تھے اور انھیں سب پر انھوں نے اپنی نظموں میں بھرپور وار کیا تھا۔ ۔

لیگ کی عظمت و جرأت سے انکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے
ہے گورنمنٹ کی بھی اس پہ عنایت کی نگاہ
نظر لطفِ رئیسان خوش انجام بھی ہے
کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اس میں زنار بھی ہے [illegible] آشام بھی ہے
یہ تو سب کچھ ہے مگر ایک گزارش ہے حضور
گو یہ سوال بھی ہے اور ابہام بھی ہے
مجھ سے آہستہ سے یہ کہاں میں ارشاد ہوا
سال بھر حضرتِ والا کو کوئی کام بھی ہے

مسلم لیگ کو مخاطب کر کے اپنی دوسری نظم میں کہتے ہیں: ۔

جنابِ لیگ سے میں نے کہا کہ اے حضرت!
کبھی تو جاکے ہمارا بھی ماجرا کہیے
کلیم طور پہ کرتے تھے عرضِ قوم کا حال
تو آپ شملہ پہ کچھ حالِ قوم کا کہیے
معاملاتِ حکومت میں دیجئے کچھ دخل
یہ کیا کہ قصۂ پارینۂ وفا کہیے
برادرانِ وطن کہہ رہے ہیں کیا کیا کچھ
کبھی تو آپ بھی افسانۂ دغا کہیے
کبھی تو رد و قدح کی بھی کیجئے جرأت
جو بات بات پہ ہر بار مرحبا کہیے
نہ ہو سکے تو اشاروں میں کیجئے اظہار
وگرنہ لطف تو یہ ہے کہ برملا کہیے
جنابِ لیگ نے سب کچھ یہ سن کے فرمایا
مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

مولانا شبلی نے اپنی دو اور نظموں "لیگ کی دائم المرضی کی علت" اور "لیگ سوئے اپیل" میں اس کی بے عملی اور حکومت وقت کے ساتھ خوشامدانہ طرز عمل پر تنقید و طنز کر کے اس کو کچھ کرنے پر ابھارا ہے: ۔

لیگ کو سلف گورنمنٹ ہے اب پیشِ نظر
للہ الحمد کہ حل ہو گئی ساری مشکل
اب یہ بے جا ہے شکایت کہ وہ آزاد نہیں
اب یہ کہنا غلطی ہے کہ وہ ہے پا در گل
ملک کے جو مسائل کی یہی ہے بنیاد
اور جو کچھ ہے اسی چیز میں ہے سب شامل
لیگ نے سن کے یہ سب کچھ بہ متانت کہا
آپ سمجھے بھی کہ اس لفظ کا کیا تھا محمل
ہم نے گو سلف گورنمنٹ کی خواہش کی تھی
شرط یہ بھی تو لگا دی تھی کہ ہو [illegible] اپیل
آپ جو کہتے ہیں وہ ہے حد ادراک سے دور
ہم کو اس خواب پریشاں سے نہ کیجئے شامل
یہ وہ باتیں ہیں جو مخصوص ہیں یورپ کے لئے
آپ طے پہلے غلامی کی تو کر لیں منزل

اسی انداز کی دوسری نظم کا آخری شعر ہے:

آزادیٔ خیال پہ تم کو ہے گر غرور
تو لیگ کو بھی شانِ غلامی پہ ناز ہے

ایک اور نظم میں لیگ کو مشورہ دیتے ہیں:

کچھ تو نظم و نسقِ ملک میں بھی دیجئے دخل
شیوۂ حق طلبی سے یہ کوئی جنگ نہیں ہے
کچھ نہ کچھ نظم حکومت میں ہے اصلاح ضرور
ہم نہ مانیں گے کہ اس آئینہ میں زنگ نہیں ہے
کم سے کم حاکمِ ضلع ہی تو ہوں اہل وطن
کیا یہ زیبا ہے میں کوئی صاحبِ فرہنگ نہیں

لیگ کی غلامانہ روش پر یوں طنز کرتے ہیں:

آپ اس بھول بھلیاں سے نکلیں گے کبھی
دل سے جائے گا نہ تعلیم غلامی کا اثر
جب کہیں بھی کوئی پہلو نئے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہرے گی نظر

خطاب احرار میں ایک مرکز کی ضرورت پر یوں زور دیتے ہیں:

یہ جو لیڈر شکنی آپ نے کی خوب کیا
قوم اب طوقِ غلامی سے ہے بالکل آزاد
لوگ اب حلقۂ تقلید میں ہوں گے نہ اسیر
ٹوٹ جائے گا طلسمِ اثرِ استبداد
ہاں مگر ایک گزارش ہے یہ قابلِ غور
یہ تو فرمایئے اس باب میں کیا ہے ارشاد
بت کدے آپ نے ڈھائے، بہت اچھا لیکن
شرط یہ ہے کہ حرم کی بھی تو رکھئے بنیاد
آبلہ قابلِ نشتر تھا، یہ مانا، لیکن
دیکھئے یہ کہ کہیں زخم میں آئے نہ فساد
اب کوئی مرکزِ قومی ہے نہ توحیدِ خیال
نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشۂ زاد
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم
خوف یہ ہے کہ یہ ویرانہ نہ ہو پھر آباد
ذرے جس طرح سے ہو جاتے ہیں اڑ اڑ کے فنا
یونہی ہو جائے گی پھر قوم بھی آخر برباد
نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا
یہ بھی لازم ہے کہ کچھ کام بھی ہو پیشِ نہاد

مولانا شبلی نعمانی نے جس طرح اپنے نثری ادب کے ذریعہ مختلف میادین علم و عمل میں دعوت و اصلاح کا کام اپنے خاص نقطۂ نظر سے کیا، اسی طرح اپنی شاعری کے ذریعہ بھی انھوں نے سماجی، سیاسی اور مذہبی اصلاح کا فریضہ انجام دیا، انھوں نے اپنی مذہبی نظموں کے ذریعہ اپنے قارئین و سامعین میں مذہب اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اسلامی شخصیات و اکابر سے شیفتگی و عقیدت پیدا کی اور مسلمانوں کو اپنی روشن تاریخ پر افتخار و اعتبار کرنے کا سرمایہ بہم پہونچایا، ان کو اسلام کی اقدار عالیہ سے مطلع کر کے ان پر عمل کرنے کی دعوت دی اور ان کو اپنے عظیم اسلاف کے نقش پر چلنے کے لئے آمادہ کیا، تو اپنی اخلاقی نظموں کے اس اخلاقی پہلو کو اجاگر کیا جو عام طور سے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ جاتا ہے اپنی سیاسی نظموں میں انھوں نے نہ صرف مسلم لیگ کی سیاسی حکمت عملی کی اصلاح پر زور دیا بلکہ پوری مسلم قوم کو وقت و زمانہ کے تقاضوں کے مطابق سیاسی رویہ اختیار کرنے کی انتہائی عملی دعوت دی۔ مولانا شبلی کی شاعری کی حقیقت یہ ہے کہ لذت کام و دہن کی خاطر نہ تھی بلکہ وہ اصلاح امت مسلمہ اور دعوت و خیر و عمل کی بانگ درا تھی جس نے ایک جہاں کے متوالوں کو ان کے خوابِ غفلت سے چونکایا تھا اور آج بھی وہ یہ شرر اپنے خاکستر میں رقصی ہے۔

طلبہ کا صفحہ

ان خواتین کے دلوں میں جب دینی فطرت کی دبی ہوئی چنگاری بھڑکی

محمد اسلم عبداللطیف (عالیہ ثالث شریعہ)

آج کے اس دور میں جبکہ آزادیٔ نسواں کا نعرہ بلند کرنے والے ہوس پرست نسوانی وقار عفت و عصمت کی مقدس عمارت کو ہمیشہ کے لئے ڈھا دینے پر تلے ہوئے ہیں، فلمی دنیا اور ٹیلی ویژن پر کام کرنے والی آزاد اور روشن خیال عورتوں کا اپنی سابقہ زندگی پر نادم ہو کر اللہ سے توبہ کرنا، اسلامی لباس اختیار کرنا اور بے پردگی کے تمام مظاہرہ سے کنارہ کش ہو جانا یقیناً ایک حیرت انگیز اور خوش آئند بات ہے۔ مصر میں جو تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے یورپ ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے، چند برسوں میں متعدد ایسے واقعات پیش آئے کہ متعدد مشہور خواتین فلمی ایکٹرس اور ٹیلی ویژن پر کام کرنے والی عورتوں نے اپنے پیشے اور ملازمت کر کے اسلامی زندگی اختیار کر لی۔

شمس البارودی، رقاصہ ہالہ الصافی، شادیہ، اداکارہ ہنا ثروت، ان کے شوہر محمد العربی، ٹیلی کے مشہور اناؤنسر کامیلیا العربی، ہالہ فؤاد، اداکارہ نسرین اور ان کے شوہر محسن محی الدین، یہ وہ مشہور و مقبول نام ہیں جن سے پورا عالم عربی واقف ہے، یہ لوگ اب اپنی زندگی اسلامی طرز پر ڈھال رہے ہیں۔

یہ اسلامی لہر جو مال و دولت اور منصب و شہرت کے باوجود ان فلمی ستاروں تک پہونچ گئی ہے، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلامی بیداری کا دائرہ اثر تمام طبقوں اور زندگی کے تمام شعبوں میں پھیل چکا ہے۔

ان کے رجوع الی اللہ کی تفصیلات خود انھیں کی زبانی

اسلام کی طرف یہ کس طرح لوٹیں اور اس کے بعد ان کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوا؟

ھناء ثروت: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بچوں کی تربیت اور گھر کے نظم و نسق کے فرائض سونپ کر روئے زمین کی سب سے بڑی دولت سے نوازا لیکن افسوس خدائی انعام و اکرام کی قدر نہ کی، اور اس ذمہ داری کو پس پشت ڈال کر مردوں کے دوش بدوش گھر سے نکلنا ضروری تصور کیا اور اس طرح اپنی فطری حیا کو مسخ کرنا چاہا، میں ان سے کچھ مختلف نہ تھی لیکن میری نگاہ اس وقت کھلی جب خدا کی نظر عنایت میری جانب متوجہ ہوئی اور مجھے لگا ہوا کہ میرے بچوں کو الفت کی میری بھی ضرورت ہے۔

میرے اسلامی لباس پہننے کا قصہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ ہم اداکار خواتین میں یہ اختلاف ہو گیا کہ اداکاری حلال ہے یا حرام؟ اس سلسلے میں شرعی رائے جاننے کی غرض سے ہم لوگ مصر کے مشہور عالم دین اور مفسر قرآن شیخ متولی الشعراوی کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے فرمایا "اس زندگی میں ہر چیز کے استعمال کی دو صورتیں ہیں حلال، حرام، اصلاً جو چیزیں حرام ہیں وہ اداکاری میں بدرجہ اولی حرام ہوں گی۔" شیخ کی باتیں سن کر میں نے عہد کیا کہ اب اسلامی لباس پہنوں گی اور اداکاری چھوڑ دوں گی، اب خدا کے فضل سے وہی افضل کام انجام دے رہی ہوں جس سے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکوں، حقیقت تو یہ ہے کہ میں اسی لئے پیدا بھی ہوئی ہوں۔ اس کے میرے شوہر محمد العربی نے بھی اداکاری چھوڑ دی۔"

مشہور رقاصہ ہالہ صافی کے رجوع الی اللہ، اسلامی لباس اختیار کرنے اور مجالس رقص و سرود کے چھوڑنے کا قصہ ایک عجیب خواب پر مشتمل ہے جسے پڑھنے سے دل لرز اٹھتا ہے وہ کہتی ہیں: "ایک دن میرے اور میرے شریک کار موسیقاروں میں اختلاف ہو گیا اور میں تھکی ماندی گھر واپس آگئی مجھے رنجیدہ دیکھ کر میری والدہ تسلی دینے لگیں کہ "خدا کی بارگاہ میں اٹھ کر نماز پڑھ کر" میں نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی، پھر نماز فجر کے بعد سو گئی، اور ایک خواب دیکھا ویسے تو اس سے پہلے بھی میں خواب میں کعبہ شریف کو دور سے دیکھا کرتی تھی لیکن اس بار بہت قریب سے دیکھا، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی مجھے آگے دھکیل رہا ہے، میں اندر داخل ہو گئی وہاں چند معزز خواتین بیٹھی نظر آئیں چونکہ میں سلیپنگ ڈریس میں تھی اور بال کھلے تھے اس لئے مجھے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی، پہلی صف میں دیکھا کہ ایک طویل قامت شخص گھٹنوں کے بل بیٹھے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کر رہے ہیں میں حواس باختہ ہو کر ادھر دیکھنے لگی اتنے میں پھر کسی نے مجھے آگے دھکیلا اور میں داخل ہو گئی۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ مجھے اس حال میں بھی دیکھ کر نہ کسی نے میری ہنسی اڑائی اور نہ کسی نے مجھے گھورا، میں ایک طالبہ کی طرح ان کے سامنے کھڑی ہو گئی انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے بٹھایا، پھر جب نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے مجھے تین بار ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اٹھو نماز پڑھو میں نے عرض کیا کیا اسی حال میں نماز پڑھوں؟ اور رونے لگی تو انھوں نے اپنے پاس سے ایک کپڑا نکال کر دیا کہ اس سے اپنے جسم کو ڈھک لو اور نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ گئے میں نماز میں مسلسل روتی رہی اور اپنی گذشتہ زندگی کو یاد کر کے نادم ہوتی رہی نماز سے فارغ ہو کر جب میں نے کپڑا واپس دینا چاہا تو انھوں نے یہ کہہ کر واپس لینے سے انکار کر دیا کہ "اپنے کو انھیں چھپائے رکھو" وہاں بیٹھی خواتین میں سے ایک سے میں نے ان صاحب کا نام دریافت کیا، تو انھوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں اس اسم گرامی کو دہراتی رہی "جب میں نے اپنے شوہر سے یہ قصہ بیان کر کے شرعی لباس پہننے کا عزم ظاہر کیا اور کہا کہ وہ میرے تمام پروگرام کینسل کر دیں تو وہ بہت خوش ہوئے اسی طرح میرے گھر والوں نے بھی میرے اس قصہ اور عزم کو سن کر مسرت کا اظہار کیا، پھر میں اپنے گھر سے متصل مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے چلی گئی، اسی دن سے میں اپنے شوہر کے ساتھ علمی مجالس حاضر ہونے لگی۔"

اسلامی لباس کے متعلق جن الفاظ میں انھوں نے اظہار خیال کیا وہ بھی قابل توجہ ہیں "وہ کہتی ہیں اسلامی لباس سے ہی عورتوں کا تحفظ ممکن ہے اس لئے کہ اب تک کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کوئی اسلامی لباس میں خاتون اغوا ہوئی ہو، وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس لوگوں کے دلوں میں ایک عجیب ہیبت پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی اس طرح کے غلط اقدامات کی جرأت نہیں کرتا۔"

اداکارہ نسرین: جنھوں نے اپنے شوہر کی طرح اداکاری ترک کر دی اور اسلامی لباس زیب تن کیا کہتی ہیں "میرا گھرانہ دین دار گھرانا ہے مجھے دینی تربیت حاصل ہوئی، اس لئے کہ میرے والد عالم اسلام کی مشہور درسگاہ جامع ازہر کے فارغ تھے اور والدہ صوم و صلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں انھوں نے کئی بار حج بھی کیا پورے گھر میں میں ہی ایک بدقسمت تھی کہ راہ راست سے ہٹ گئی اور طالب شہرت اور مال کے مرض میں مبتلا ہو کر اس دینی شاہراہ سے دور ہوتی چلی گئی جس پر میں نے پرورش پائی تھی لیکن میری زندگی میں اس وقت تبدیلی آئی جب میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ میرا محاسبہ کر رہے ہیں دوسری طرف میں نے اپنی اداکار سہیلیوں کو دیکھا کہ مجھ سے پہلے توبہ کر چکی ہیں اور اب ایمان کے بلند مقام پر فائز ہیں تو میں نے اداکاری ترک کر کے خانہ داری کے اپنے فطری فرائض انجام دینے اور اپنے بچوں کو صحیح اسلامی تربیت دینے کا عزم کر لیا، اس سلسلے میں میرے شوہر محسن محی الدین نے میرا ساتھ دیا اور ہم دونوں نے اداکاری چھوڑ کر اپنی زندگی اسلامی طرز پر گذارنے کا فیصلہ کر لیا اور اب ہم اسی راہ پر گامزن ہیں۔"

اسلامی بیداری کا یہ اثر اداکارہ خواتین تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ذرائع ابلاغ خاص کر ٹیلی ویژن کی اناؤنسر خواتین پر اس کا خوشگوار اثر پڑا ہے، مثلاً ٹیلی ویژن کی مشہور خاتون اناؤنسر کامیلیا العربی نے اسلامی لباس اختیار کیا اور خدا اور اس کے دین کی تعلیمات کی جانب متوجہ ہوئیں، تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ دوپٹہ کے استعمال پر مصر ہیں جبکہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی بنا پر ذمہ داران ٹیلی ویژن انھیں برطرف کر دیں گے، اصل بات یہ ہے کہ انھیں یقین ہو گیا کہ خدا کی ذات دنیا کی تمام چیزوں سے افضل و اعلیٰ ہے، انھوں نے اپنے ساتھ ذمہ داران ٹیلی ویژن کے رویہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میرے اس پردہ کو ٹیلی ویژن کے ذمہ داروں نے سخت ناپسند کیا اور مجھے ٹیلی ویژن سے برطرف کر دیا میں دس سال سے ٹیلی ویژن میں کام کر رہی تھی اس لئے مجھے ان سے یہ توقع نہ تھی کہ میرے ساتھ وہ اس طرح کا سلوک کریں گے، آخر میں میں نے ذمہ داروں سے بچوں کے لئے اسلامی آداب و تعلیمات کے متعلق ایک پروگرام نشر کرنے کی اجازت مانگی لیکن انھوں نے اسکی بھی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اب آپ اپنا وقت کس طرح گذارتی ہیں تو انھوں نے کہا میں ہر دن مسجد جا کر عورتوں کو درس دیتی ہوں اور کتابوں میں مشغول رہتی ہوں میرا خیال تو یہ تھا کہ ٹیلی ویژن چھوڑنے کے بعد بیکاری کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اب حال یہ ہے کہ اب میرا ایک منٹ بھی کام سے خالی نہیں، میں صرف ان پانچ مہینوں میں وہ کام انجام دیا جو دس سال تک ٹیلی ویژن میں بھی نہ کر سکی تھی۔"

اس وقت کامیلیا العربی "معارف دار السلام"

(باقی صفحہ پر)